عجب طرح کی سخی دیکھے اس زمانے کے
نگوڑے سوم کی پگڑی اتار لیتے ہیں

بجلی گرے الٰہی مہاجن کی جان پر
کیا پڑ گئیں کھٹائی میں کانوں کی بالیاں

سنتی ہوں ایک روز بلاتی ہیں مردوا
کیا نیک بخت ہیں مرے ہمسائی والیاں

جیسے بجاتے ہیں مجھے باجی تمہارے ہاتھ پاؤں
گورے گورے ننھے ننھے پیارے پیارے ہاتھ پاؤں

مُوڑے کھاتی ہو نہیں تسیوں کلاموں کی قسم
تیرے بن پوچھے گئی ہو نہیں جو اک بار کہیں

جا کے سسرال میں دولھا سے صنم خانم تو
پہلے ہی روز نہ کر بیٹھیو اقرار کہیں

میری ماما نے نکالی ہے نئی مجھ سے چھیڑ
بھیجتی ہوں کہیں جاتی ہی نہیں یہ مردار کہیں

اپنے گھر والے کی وہ جا کے خبر تو لیویں
اُن کے بہلانے سے زیادہ نہیں مکار کہیں

بیاہ خانم کا تو کر دینے کو تیار ہوئیں
باجی کوڑی کا سہارا نہیں لاچار ہوئیں

میں پڑی کیا امیر کے گھر میں
پھنس گئی بوڑھی بھینس دلدل میں

ایجان لکھنؤ سے نکل جاؤنگی میں اب
اوقات مجھ نبختی کی ہوتی بسر نہیں

سید الکل کہے ہیں بد اکائنات میں
لیکن سمائی سب کی ہے ہیجڑوں کی ذات میں

مری ہی جاتی ہو تم مجھ سے عقلمند نہیں
میں بات چیت میں لقمان سے بھی بند نہیں

نہ شوق گانے کا مجھ کو نہ ہے بجانے کا
اسی سے حسن مرا مردوے پسند نہیں

بڑھیا کے بوڑھے چوچلوں پر مرد گیا مرے
اُتری ہوئی کمان میں بے پر کے تیر ہیں

آنسوؤں کی جب جھڑی لگتی ہے دم بھرتا ہے یہ
دل نگوڑا بن گیا جھینگر مگر برسات میں

ڈھونڈھتی پھرتی ہیں بہائی کرایہ کا مکان
چھاونی کا گھر نبختی بیچ کر برسات میں

خصم چھڑا کے موئے دل نے یار کروایا
کیا اسی نے ہے بے راہ رو سے مجھ کو

نہ جاؤ تم پڑو چولھے میں بھیجو میرے بھائی کو
لگے ہیں درد مرتی ہوں بلا لائے وہ دائی کو

الٰہی کوڑھ ٹپکے ایسی مغلانی کی ہاتھوں میں
کتر کے کر دیا غارت مری انگیا کے بازو کو

جان صاحب ہیں نہ ہونے دونگی بچی کو سوار
دن کو کیا سوتے تھے لائے ہو سواری رات کو

سوت کی بھتی نہ کھائی بانج دنیا سے چلی
دل ہی میں میرے رہ گئے افسوس یہ ارمان دو

پھٹکار کسکے منھ پہ برستی ہے چل پچھے
منھ اپنا دیکھ مردوے منگوا کر آئینہ

مسجد کا طاق بھرنے نگوڑی چلے گی کب
کیا فرض ہے دوگانے کو کرنا سنگھار کچھ

خوب گن سیکھے کواری کھیلکر جیش کے ساتھ
رات کو مسی ملی اندھیرے ہی سوسن کے ساتھ

....

دوسری مجھ سی لٹے صدر میں چھاتی پھٹ جائے
میں بھی برباد ہوئی اس موئے ناشاد کے ساتھ

شمع افروز کی بی چھاتو پہر بھبتی کہوں
تیل پانی کے کنول آج ہیں روشن دیکھے

یہ درشہ کا جھگڑا ہے سنو چھوٹی ممانی
دو چار بڑے اپنے ہوں دو چار تمھارے

ڈر لگے کیونکر نہ ان و نونکی مجھکو چال سے
چھوکری اندھی ہے لڑکا کام نہیں ہو نچال سے

ریختی پڑھ کے بڑھاپے میں مٹکتے ہے بوا
جان صاحب کی ابھی دیکھو حماقت نہ گئی

تانبے کا تار لانا نہ اکدن ہوا نصیب
سونے کا لے گئے مرا زیور اتار کے

حلوائی کی دکان کی بھبتی نہ کیوں کہوں
دن رات آسمان مٹھائی کا تھال ہے

کیا ہوگا گل ہزار کھلائے موا بہار
میں پات پات ہو رہ اگر ڈال ڈال ہے

کھلوانہ ٹھوکریں موئے دل در بدر مجھے
رسوانہ کر ذلیل نہ کر گھر بگھر مجھے

باھمن یہ مجھسے کہتا ہے پوتھی بچار کے
پھندے میں تم پھنسو گی اب تین چار کے

منگادو مجھے ڈولی میکے کو جاؤں
تمھارے لئے کچھ برائی نہ ہوگی

جعفر۔ مرزا مومن بیگ نام تھا۔ نواب عمدۃ الملک امیر خاں کے (جو عہد عالیجاہ کے ایک بڑے امیر تھے) متوسلین میں تھے رفتہ رفتہ تقرب شاہی حاصل کیا اور محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں منصب سہ ہزاری پر فائز ہوئے۔ نہایت ذکی الطبع اور ذہین تھے۔ طبیعت میں ظرافت کا جوہر خداداد تھا۔ دانستہ نہ کہتے تھے تب بھی وہ مذاق رنگین سے متین شعر سے بھی آشکارا

ہو جاتا تھا۔ یہ تین شعر اسی قسم کے ہیں۔ جو نمونہ کلام کے طور پر درج کرتا ہوں زیادہ کلام نہ مل سکا مجبوراً انہی پر اکتفا کی گئی۔

بلبل کو باغباں سے رہے نت کھٹا پٹی ٭ تا صبح کیوں نہووے چمن میں چپا پٹی

آ مجھ نین میں بس کہ بنا ہے ترے لئے ٭ یہ خیمہ سیاہ و سفید و پٹا پٹی

پروے کیوں نہ ہر اک بات میں موتی وہ چھتیسی ٭ صفا دانتوں کی روشن سب مسی میں بتیسی

جعفر زٹل ۔ میر جعفر نام تھا۔ اسمیں اختلاف ہے کہ دہلی کے باشندے تھے یا نارنول کے۔ بہر صورت عہد عالمگیر کے دور آخری کے نامی گرامی ہزال تھے۔ اور ہزال بھی اس زور کے تھے کہ اُس زمانہ کے بڑے بڑے جید اور مشہور شعراء بھی آپ سے کانپتے۔ آپ کی حالت یہ تھی کہ جس کسی امیر یا رئیس کے ہاں ملنے جاتے تو پہلے ہی سے ایک کاغذ پر میزبان کی مدح اور ایک پر ہجو لکھکر پاس رکھ لیتے۔ منزل مقصود پر پہونچکر حسب دلخواہ خاطر تواضع ہوتی کچھ اُن کی نذر بھی کیا جاتا تو ہو المراد۔ ورنہ غصہ کے تھرمامیٹر کا پارہ چڑھ جاتا تھا۔ وہ ہجو کا پرچہ نکالکر پہلے اس شامت زدہ کو خود سناتے اور پھر اسکی اس زمانہ کی رسم کے مطابق اشاعت کرکے اُس غریب کی اتنی رسوائی کرتے کہ منھ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔

ایک مرتبہ ملا عبدالقادر بیدل سے ملنے گئے۔ وہ ایک قدیم وضع کے درویش نیک سیرت ساکت خوشمزاج شاعر خوش فکر تھے۔ آپ نے پہلے ازراہ کرم نوازی پہلے تو کچھ بیدل کا کلام سُنا۔ طبیعت محظوظ ہوئی تو خود بھی کچھ کہنا چاہا۔ بیدل نے اجازت دیدی۔ آپ نے کچھ مدح کرنے کا قصد ظاہر کیا۔ بھلا اِن کو روک کون سکتا تھا کسکی شامت آئی تھی بیدل نے اشارہ سے یہ بھی بادل ناخواستہ منظور کر لیا۔ آپ نے کچھ رحیمہ شعر پڑھے جن میں کا ایک مصرع یہ بھی ہے

ع۔ چہ عرفی چہ فیضی بہ پیش تو پشم۔

بیدل ایک متین بزرگ تھے سنتے ہی عرق شرم میں نہا گئے اور کچھ دے دلاکر

اِن کو ٹال دیا۔

میر جعفر نے ابو اسحاق اطعمہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ چونکہ وہ بھی ایک پرانے ہزّال تھے لہذا آپ نے وہیں سے یہ رنگ بھی اخذ کر لیا۔ اور اس میں ایسے کامل الفن ہوئے اور اُن کی شاعری اور ہزّالی کا ایک خاص معیار قرار پا گیا۔ جسکے لئے بہت سے نقادوں کا خیال ہے کہ انھیں کے ساتھ ختم ہو گئی۔ کیونکہ جہاں اُس میں فحش اور لا یعنی باتوں کا ہجوم ہے اور کانٹے کی طرح پڑھنے والے کی آنکھ میں کھٹکتی ہیں اسی طرح اسمیں بعض نظمیں ایسی ہیں جو ظرافت کے ساتھ اخلاق و انسانیت کی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ ہیں مگر افسوس کہ ہزل گوئی کی شہرت نے اُن جواہرات کو ماند کر دیا۔ اور صرف ہزل میر جعفر کے نام سے مخصوص ہو گئی۔ جیسا کہ بیان کیا گیا کہ انھوں نے ابو اسحاق اطعمہ سے ابتدائی تعلیم کی کتب پڑھیں۔ مگر اتفاق کی بات ہے کہ ابو اسحاق پہلے استادوں کے موافق ایک جابر استاد تھے۔ ہر وقت لڑکوں پر تشدد کرتے تھے۔ لڑکے اس روز کی نادر شاہی سے عاجز آ گئے تھے ایک مرتبہ اپنے استاد بھائی میر جعفر زٹلی سے شکایت کی۔ یہ بھی استاد کے ستم دیدہ اور آفت کشیدہ تھے فوراً انتقامی کارروائیوں کے واسطے تیار ہو گئے۔ قلم کا جانستاں حربہ سنبھالا۔ اور استاد کے دل پر وہ کاری زخم لگایا جنھیں کوئی مرہم کبھی نہ بھر سکا۔ یعنی پہلے تو ایک نظم "بھوت بڈارا نامہ" کے عنوان سے لکھی پھر اور کچھ لکھا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مولوی صاحب کو خبر ہوئی۔ اور اچھی طرح تحقیقات کرنے کے بعد میاں جعفر کو بیک بینی و دو گوش اپنے مکتب سے نکال دیا۔ میر جعفر نکل تو گئے۔ مگر سمند ناز کو اک اور تازیانہ ہوا۔ گویا بارود میں آگ لگا دی فوراً ایک کچھوا نامہ لکھا۔ جسمیں مولوی صاحب کی جی کھول کر ہجو کی گئی تھی۔ اس کے ابتدائی بند یہ ہیں۔

کہتا ہوں کچھوے نامے کو نادر سخن ستی | سُن مرحبا کہو گے مجھے اس بچن ستی
مشہور ہے یہ بات کفوے زمن ستی | کچھوے کو خیخ جی نے دغا دی تھی فن ستی

تس کا کروں بیان نوجان دتن ستی

یہ کچھ اثنا یہ ایسا مشہور ہوا کہ شہزادہ کام بخش کے کانوں تک پہونچا اور میر صاحب طلب ہوئے۔ چونکہ نظم میں ہجو کے ساتھ ہی ظرافت کی خوشگوار چاشنی بھی موجود تھی۔ اسی کے اثر سے خوش ہو کر شہزادہ نے مورچھل کی خدمت میر جعفر کو دیدی۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ جعفر زٹل نہایت اچھے شاعر ہیں تو شہزادہ نے امتحاناً ان سے ایک غزل کی فرمایش کی انھوں نے تعمیل ارشاد کی اور غزل کہی جس میں کے ایک دو شعر یہ ہیں۔

از عاشق بیچارہ مکن نخرہ و گھونگھٹ	تا کے بود این گرمی بازار جو ہے تو
تا چند کنی عشوہ برین رنگ گلابی	یہ رنگ پتنگے کا اڑن ہار جو ہے تو

شہزادہ نے غزل پسند کی اور اسکی بدولت میر صاحب کی شہرت ایک سے دو چند ہو گئی مگر خالی شہرت سے کام نہیں چلتا ضرورت تھی کہ نقد و جنس سے کچھ ان کی امداد کی جاتی مگر ایسا نہ ہوا۔ میر جعفر کا دل تنگ ہو گیا اور اب ان کو مورچھل کی خدمت بار ہو گئی انھوں نے فوراً اس خدمت کی ہجو لکھی جس کے چند شعر یہ ہیں۔

توبہ ازیں وسوسۂ مورچھل	دمبدم از دمدمہ جان در خلل
توبہ ازیں مسکن روزن فراخ	روز و شب آوازۂ پھس پھوں پٹاخ
توبہ ازیں مسکن پر شور و شر	مرحلہ پر خطر و خوف و ڈر
پر خس و خاشاک بہ سر ٹوکری	نزد خرد بہتر ازیں نوکری
جعفر ازیں کوچہ دریں مورچھل	شرم حضوری بکن و لوٹ چل

شہزادہ کو جب اس ہجو کا حال معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوے۔ جب ان کو یہ خبر ہوئی تو انھوں نے شہزادہ کو لے ڈالا ہجو لکھی اور دل کھول کر لکھی ایک شعر یہ ہے۔

زہے شاہ والا گہر کام بخش	کہ غنچی بزد کرد پچی د بخش

اس کے بعد نوکری سے بیزار ہوے اور دکن کی طرف چلدیئے مگر بدقسمتی ہر جگہ ساتھ تھی یہاں بھی روزگار نہ ملا تو جھنجھلا کر یہ غزل کہی۔

تنہا شدی اندر سفر کہہ جعفراب کیسے بنے
افتادی اندر بحر و بر کہہ جعفراب کیسے بنے

در بیکسی تا بودہٗ با درد و غم آلودہٗ
مفلس شدی در بدر کہہ جعفراب کیسے بنے

از ہجو آن سلطان خود کردی پریشاں حال خود
درماندہٗ بے بال و پر کہہ جعفراب کیسے بنے

اسباب غم برداشتی تخم فلاکت کاشتی
اکنوں کجا آں سیم و زر کہہ جعفراب کیسے بنے

اتفاق سے جس زمانہ میں یہ پریشان روزگار دکن کی خاک چھانکتے ہل ہانکتے کودوں چھانکتے پھر رہے تھے اسی زمانہ میں نواب کوکلتاش خاں ستارہ کی مہم پر گئے۔ جعفرنے اس موقع کو غنیمت جانا اور نثر کا ایک رقعہ لکھا نواب پر بڑا اثر پڑا۔ اپنے یہاں ملازم رکھ لیا مگر صرف کھانا ملتا تھا۔ نہ کپڑا مقرر ہوا۔ اور نہ کپڑا بنانے کے لئے کوئی پیسہ ملا۔ مجبوراً ایک منظوم عرضداشت لکھی ہے

زخان جہاں شاہ گیتی پناہ
زبیداد جواں زٹل داد خواد

جُواں پڑ گئیں در قبا و ازار
بئی آئی مشکل بہ دلّی دیار

رکت کی جو یں میری پیاسی پھریں
کہ حیران و ہلکان مجھکو کریں

لہو میرا پی پی کے موٹی ہوئیں
بغل بیچ دشمن مری ہو رہیں

جواں مارتے مارتے شب گزشت
ولیکن جویں از میاں کم نگشت

خیر اتنا ہوا کہ یہ عرضی منظور ہوئی اور کپڑے بنوادیئے۔ مگر چند روز بعد اور اسباب پیش آئے اور یہ وہاں سے بھی جدا ہو گئے۔

میر صاحب کی زندگی نہایت مفلسی اور مفلوک الحالی پریشان روزگاری میں بسر ہوئی۔ مگر وہ زمانہ کی زبردستیوں سے عاجز آکر کبھی چیخ نہ اٹھتے تھے۔ بلکہ نہایت آزادی اور خوشدلی سے ان تمام سختیوں کو برداشت کرتے تھے۔ اسیطرح اُن کا مشغلہ شاعری خاص کسی کی مدح و ذم کا پابند نہ تھا۔ وہ ذاتی خصومت کی بنا پر کسی کی ہجو نہیں کرتے تھے بلکہ بلکہ ہمیشہ اس سے تفریح و انبساط مقصود ہوتا تھا۔

اُن کی ظرافت اگرچہ ہزل کے درجہ پر پہونچگئی ہے۔ اور خوش طبعی سخراپن کا درجہ رکھتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ سخراپن ہو ظرافت ہو ہزل ہو کچھ ہو اس درجہ کی ہے جس کا جواب بڑے بڑے اہل کمال نہیں دے سکتے۔ انکے ایک ایک لفظ میں ظرافت اور خوش طبعی کا ایک جہان پوشیدہ ہوتا ہے۔ وہ جیسے مزاج و خندہ روئی کے خوگر ہیں اتنے ہی اخلاق کے دلدادہ ہیں اور اخلاق کے نکات بھی کبھی مولویوں کی طرح بیان نہیں کرتے بلکہ اس میں بھی اپنا انداز خاص قائم رہتا ہے۔ جو کچھ کہتے ہیں ایسا کہتے ہیں کہ دلپر مسرت اور فرحت کی بارش ہونے لگتی ہے۔ اسکی وجہ خاص یہ ہے کہ گو وہ ایک سخرے ہیں۔ رنگین مزاج ہیں۔ مگر علم و فضل و فنون سے ویسے ہی آشنا ہیں جیسے اس زمانہ کے باکمال ہوتے تھے۔ عربی اچھی طرح جانتے ہیں۔ فارسی کے ایسے ماہر ہوتے ہیں کہ اس کے ماہر کامل معلوم ہوتے ہیں اور اس نا بے تکلفی سے اس کو استعمال کرتے ہیں کہ یہی اُن کی زبان معلوم ہوتی ہے۔

میر جعفر کے ایسے واقعات جنپر ان کی بہت سی مایہ ناز نظموں کا دار و مدار ہے بے تعداد ہیں جن میں سے ہم چند لکھتے ہیں۔

لطیفہ جس زمانہ میں میر جعفر کوکلتاش کے یہاں رہتے تھے ایک روز یہ اتفاق پیش آیا کہ مرزا سلیمان کی اہلیہ مرزا سے ناراض ہوگئیں۔ میر جعفر کو خبر ہوئی۔ یہ جانتے تھے کہ مرزا کی بیوی اونچے گھرانے کی عورت ہے اور یہ دبیل ہیں انھوں نے چند قطعے لکھ ڈالے جو ہجو بھی ہیں سامان تفریح بھی۔ پند و نصائح بھی۔ عزت بھی۔

جعفر اور جہاں معاذ اللہ	ہر کہ محتاج نان زن باشد
نتواند کہ ضبط بنشاند	گرچہ عفریت و اہرمن باشد

جعفر امفلسے کہ زن بہ کند	آہ آں زن زلست مردک خر
آرزوے دلش بہ دل ماند	خود بپئے نان خراب و رسوا تر

بزن کردن در افتادم بگرداب پریشانی — دل و دین رفت و نسیاں شدرہ و رسم سخندانی

بلے خوش گفتہ مصرع جعفر این ازرہ فطرت — چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

مرزا سلیمان کو جب یہ خبر ہوئی تو بہت بگڑے اور کوکلتاش خاں کے پاس پہونچے۔ میر جعفر کی سخت سے سخت شکایت کی مگر انھوں نے معاملہ کو ہنسی میں ڈالدیا اور ٹالدیا۔

ایک موقع پر کوکلتاش خاں نے غنیم کو سخت شکست دی۔ اور بہت کچھ مال غنیمت پایا۔ جب مال غنیمت تقسیم کیا تو آدھا مال خزانہ شاہی میں بھجدیا اور آدھا سپاہیوں میں تقسیم کردیا۔ بیچارے سپاہی تو تھے نہیں کہ کچھ ان کو بھی ملتا۔ میر جعفر کو سخت رنج ہوا۔ نواب کے پاس پہونچ کر کہا کہ مجھکو بھی حصہ دیجئے۔ کہا تم سپاہی نہیں۔ مرد میدان نہیں پھر حصہ کیسا۔ خیر اُسوقت تو جعفر خاموش ہوگئے مگر دوسرے دن اپنا تصنیف کیا ہوا رستم نامہ لیکر پہونچے اور نواب کو سنایا۔ جو یہ ہے۔

من آں رستم وقت روئیں تنم — کہ دہ پاپڑ از مشت خود بشکنم

کنم روزن اندر چپاتی بہ تیر — برآرم دمار از سر مور تیر

کشم گردن پشہ را در کمند — مگس چند را من درآرم بہ بند

بپوشم اگر جوشن جنگ را — ہزیمت دہم پسہ[illegible]نک را

بہ صد حملہ بال مگس بر کنم — قطار دو صد مور برہم زنم

اگر بر زنم پنجہ در دال بھات — فتد ہیبت و خوف من در جہات

بدوزم بہ رمح سناں دود را — شگافم بہ چنگال فالود را

دریں دور ثانی رستم منم — بتا سا بہ گرز گراں بشکنم

بہ ہنگام خشم و تردد تلاش — کنم غرق انگشت در دال ماش

من آن شہسوارم کہ روز نبرد — برآرم بہ یکمشت از پنبہ گرد

چنان بشکنم رشتۂ خام را — کہ سازم خجل رستم و سام را

من آنم کہ گر اسپ جولاں کنم	چہل خانۂ موش ویراں کنم
جگر سازم از خنجر آب دار	بجلوا و جغرات ہنگام کار
اگر بر کشم تیغ تدبیر را	ببرّم سر شیر تصویر را
تہمتن منم گر کشم تیغ خشم	تراشم بہ ضرب یک موئے پشم
نہ آنم کہ بگریزم از گور خر	بہ گوزش کنم سینۂ خود سپر
بہ نام و نشاں جعفر دردمند	چو گوز خر آوازۂ من بلند
فتد لرزہ از من در اندام شوم	کنم دیر پیوستہ در کام شوم
سر مسکاں بر سر دار بہ	شہ بر دار بہ بلکہ در غار بہ
بترسد دل شوم از شاعراں	چو از باز و شاہیں دل طائراں
چو بیند مرا شوم تھر تھر کند	چو از گربہ مرغے کہ کر کر کند
اگر بنگرد صورت من بخیل	گریزد چو از گردگاں زاغ و فیل
بیا جعفر ایں قصہ کوتاہ کن	بہ سمت جناب سخی راہ کن

اتفاق کی بات ہے کہ میر صاحب جب یہ فخریہ رجز سنا رہے تھے اُسیوقت خبر آئی کہ مغلیہ فوج مغلوب ہوکر دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوگئی کوکلتاش خاں کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور ایسے بگڑے کہ میر صاحب کو نکلوا دیا۔ اسطرح میر صاحب کو لینے کے دینے پڑگئے۔ دو نظمیں لکھیں جن میں سے ایک میں اپنی شان استغنا کا ذکر تھا۔ دوسری میں نوکری کی برائیاں تھیں چنانچہ دوسری نظم یہ ہے۔

بشنو بیان نوکری جب گانٹھ ہووے کھوکری	تب بھول جاوے چوکڑی یہ نوکری کا خبط ہے
ہر روز مجرا اُٹھ کریں در کار یکسو گر پڑیں	بے شرم ایسے لڑ مریں یہ نوکری کا خبط ہے
دس بیس مجرے میں گئے دس بیس بخشی نے لئے	دس بیس میں جھگڑے گئے یہ نوکری کا خبط ہے

ایک مرتبہ میر صاحب کے یہاں چوری ہوگئی اور کچھ بھی باقی نہ رہا غصہ میں یہ نظم کہی۔

ولا ور مفلسی سب سے اکڑرہ | بہ عالم بے کسی سب سے اکڑرہ
چکن اور زر کا چیرہ پشم کر بوجھ | پھٹی پگ باندھ کر سب سے اکڑرہ
اگر شلوار نباشد کسکو غم ہے | لنگوٹا باندھ کر سب سے اکڑرہ

ایک دفعہ لوگوں نے صلاح دی کہ کوکلتاش خاں سے عفو جرائم کی درخواست کرد
انھوں نے ہرگز منظور نہ کیا اور یہ نظم لکھی۔

اے تونگر این تحمل آبخورہ تابکے | شربت قند و گلاب کورہ کورہ تابکے
کج کلاہ و قرب شاہی عزو جاہ و سال ماہ | پاندان نقرہ و زریں کٹورہ تابکے
کل شئی ھالک جعفر زباں رابند کن | این سخنہائے زٹل بھک ابھکوڑہ تابکے

بادشاہ ذیجاہ اورنگزیب کو جب دکن میں فتح حاصل ہوئی تو آپ نے ایک ظفر نامہ لکھکر
قصد کیا کہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کریں مگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی اور دربار تک رسائی
نہ ہوسکی اسکے بعد یہ توکل کرکے بیٹھ رہے دو چار شعر ظفر نامہ کے یہ ہیں۔

زہے شاہ اورنگ و بانک بلی | کہ در ملک دکھن پڑی کھل بلی
برآمد عسکر بصد دھوم دھام | کہ ہل چل پڑی بر سرِ روم و شام
دریں پیر سالی و ضعف بدن | مچائی دھما چوکڑی در دکن
زہے شاہ شاہاں کہ وقت وغا | نہ ہلد نہ ٹلد نہ جنبد زجا
کمر بستہ ہشیار میدان پر | شب و روز تیار گھمسان پر

اورنگ زیب کی وفات پر میر صاحب نے دو مرثیے لکھے ایک نہایت متین ہے
دوسرا اُن کے رنگ کا ہے جسکے دو شعر یہ ہیں۔

اورنگ زیب مرگئے نیکی جگت میں کرگئے | تخت اور چھتر کھٹ دھر گئے آخر فنا آخر فنا
ہوا خدا کی یاد میں رکھا اورنگ آباد میں | خبریں گئیں بغداد میں آخر فنا آخر فنا

اعظم شاہ کی تخت نشینی پر بھی ایک نظم ایسی ہی لکھی۔ مگر بے نتیجہ رہی۔ آخر عمر میں یہ رنگ

ہلکا ہو گیا تھا۔ اور بجائے ژٹلیات اور شوخیوں کے متین مضامین اور پیرانہ جذبات زیادہ ہو گئے اگرچہ طرز بیان وہی تھا مگر پھر بھی بہت فرق محسوس ہوتا ہے یہ دو قطعے اُسی رنگ کے ہیں۔

جعفرا بر سر عروس جہان | چند پاپوش و چند کہلہ بزن
زانکہ ایں با کسے نکرد وفا | بر ہمہ نقد و جنس ٹلہ بزن

تذکرہ خمخانۂ جاوید میں لکھا ہے کہ جب اعظم شاہ تخت نشین ہوئے تو شعرا کے ساتھ میر صاحب نے بھی سکہ نظم کیا اور وہ نہ صرف پادشاہ کو پسند ہوا بلکہ خاص و عام کو پسند آیا۔ بادشاہ نے انعام میں خلعت فاخرہ۔ اور ہاتھی۔ اور ایک لاکھ روپیہ دیا۔ مگر ان کے استغنا کا یہ عالم تھا کہ گھر پہونچنے بھی نہ پائے اور تمام روپیہ راستہ ہی میں صرف کر دیا۔

میر صاحب کے کلیات میں اگرچہ فحش بہت زیادہ ہے پھر بھی وہ انواع و اقسام ظرافت نظم و نثر سے مملو ہے چنانچہ

(۱) گفتگو نامہ نثر جسمیں اُردو کے محاورات اور ضرب الامثال کا محل صرف نہایت خوبی سے بتایا گیا ہے۔

(۲) رقعات نثر جنمیں تلازمے۔ اور طرح طرح کی شوخیوں کا وہ عالم ہے کہ دیکھنے والا دنگ رہجاتا ہے۔

(۳) عدالتی تحریریں نثر اپنے خاص الخاص رنگ میں۔ جنمیں تلازمے۔ ظرافت شوخیاں اپنے اپنے محل پر سبھی کچھ ہیں

(۴) شرارت نامہ جسکو شاہی یادداشتوں اور تزک کے طرز پر مرتب کیا ہے۔ اور اس میں ضرب الامثال کو اس صورت سے صرف کیا ہے کہ بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے۔

(۵) مصطلحات زمانہ۔ یہ نعت کے طریق پر ہے۔ زمانہ کی رسم و رواج اور ضرورت کیموافق اسمیں الفاظ کے معانی بیان کیے ہیں۔ اگرچہ اسکو دیکھکر میر صاحب کے کمال ظرافت پر ایمان لانا پڑتا ہے مگر اسکی ایجاد کا سہرا غالباً عبید زاکانی کے سر ہے۔ اُنکی نعت بھی ان کے کلیات میں

شامل ہے۔ ان کے علاوہ اور اقسام کی نثریں بھی پائی جاتی ہیں۔

حصہ نظم۔ جس میں ظرافت۔ واقعات۔ ہجویات۔ رقعات۔ دستور العمل۔ پند و نصایح رجز۔ نسخہ جات۔ مسئلے۔ غزلیات۔ مورچھل نامہ۔ کچھوے نامہ مسدس۔ ظفر نامہ مراثی۔ سپیش نامہ۔ تضمین قطعات۔ اُردو فارسی سبھی کچھ ہیں۔ اور ہر ایک اپنے رنگ میں لاجواب ہے۔

اگرچہ اُنکا کلام اُن کے رنگ میں سراپا انتخاب ہے مگر ضرورتاً تھوڑا سا انتخاب پیش کرتا ہوں۔ ممکن ہے کہ قطع کرنے پر بعض ناظرین کو تاہ قلمی کی شکایت پیدا ہو۔

انتخاب دستور العمل نظم

ہر زن کہ باشد جنگجو۔ در چال ٹھگنے ہو بو
دارد بہ شوہر گفتگو اس نار سے انکار بہ

جورو لڑاکا گر بود پر خوف ڈر لاگھر بود
دو گھر سدا ابتر بود اس گھر سے گنگا پار بہ

جو نار لچکے چال میں سسکی بھرے ہر حال میں
کالا تو ہے کچھ دال میں از قرب او زنہار بہ

جو رنڈ ہو کاجل کرے چوٹے چندن پر من دھرے
چوڑی پہن مہندی کرے بر گردنش تلوار بہ

گھوڑا جو اسواری نہ دے صاحب طلب یاری نہ دے
بیٹا جو وہ یاری نہ دے اس ... ہر سہ فی النار بہ

سسرا جو ہو دل تنگ جی ممسک خسیس تنگ جی
داماد سے بیرنگ جی اس سے سگ مردار بہ

جعفر بہ پوست ان جہاں دم غنیمت است
شادی نصیب گر نشود غم غنیمت است

دو پیازہ و کباب نہ باشد اگر ترا
زاں ساگ خام بھجیہ شلغم غنیمت است

گر اسپ صفا نبود رو بہ کار تو
یک خچر گدہری پالم غنیمت است

آواز شیو برہ نرسد گر بگوش تو
آواز بول بیگم و خانم غنیمت است

تربوز و خربزہ نبود گر میسرت
یک سبز پھانک کھیرہ بالم غنیمت است

ہجو مرزا خدا یار بیگ

زہے قدرت پاک پروردگار — کہ مرزا خدا یار مارا پچھاڑ
کروں اب خبر شہر و بازار کو — لگی آہ میری خدا یار کو
خدا یار پر صبر میرا پڑا — کہ تالاب پر یہ بکھیڑا پڑا
بدست حریفاں گرفتار شد — بہ پشت و سرش مشت و پیزار شد
چہ مرزا چہ رفتار و گفتار او — چہ آواز پیزار و دستار او
تڑاتڑ سڑاسر لگی لاگنے — مٹک چال مرزا لگے بھاگنے
پکڑ باندھ کر جب مرنڈا کیا — کشنداس کا تال گنڈا کیا
دریغا چہ صورت چہ دستار او — چہ پاجامہ چوڑیاں دار او
چو ایں ماجرا جان بابا شنید — دوا دو دوا دو پیا پے رسید
زہے جان بابا شرافت مآب — کہ کوا چھڑایا لگا سے شتاب
جہاں میں کروں آج میں بومڑی — کہ گیدڑ کے منھ سے چھٹی لومڑی
خدا یار مسکیں دہا دہم گٹا — بلیا کے نیچے سے چوہا چھٹا

ہجو ماو ھو داس چوکی نویس

سگ لینڈی از وے نکو تر بود — کہ از عفت عفنش مرو را ڈر بود

مدح شاہزادہ محمد کام بخش

سنو اے خداوند گیتی پناہ — توئی وارث و مالک تخت و جاہ
بدرگاہ تو ہر کہ کھٹ پٹ کند — خدایش بیک لحظہ چٹ پٹ کند

جو تجھکو بُرا من میں چیتا کرے	غیا غپ شپا شب کے پالے پڑے
من از ضعف چوں چونی وبھوسیم	نہ چوری سرانیل ننگو سیم
مرا طاقت ٹکر او کجا است	تن د توش آنکس جو کالی گھٹا است

ایک مرتبہ قمر النسا بیگم نے میر صاحب کو اپنے دیوان کی معرفت تیس روپیہ انعام دلوائے اُس نے صرف پانچ دیئے باقی خود خورد برُد کر دیئے انھوں نے ہجو کہی جسکا یہ اثر ہوا کہ قمر النساء بیگم نے اپنے دیوان فتح علیخاں کو بہت ڈانٹا اور میر صاحب کو پورا روپیہ دلا دیا ہجو کا ایک شعر یہ ہے۔

دلائے تیس لیکن پانچ نکلے	فتح خاں کی الٰہی.... نکلے

مدح حُسن معشوق

جعفر چہ بیسی باشد دکس بانکی ہوتی	بر حُسن تو جبریل گرفتار جو ہے سو
با تیر انا کانی د برچھی تغافل	امروز مجھے مار نہ اے یار جو ہے سو

جوانی کے جانے کا غم

ذریغا کہ جوبن چلا ردس کر	اَلّلے تَلّلے کا گھر موس کر
ارے ہائے جوبن چلا جائے ہے	چہ چارہ کنم ہلے رے ہائے رے
مرا عشق و ٹکھیل پن از تو بود	شب و روز الیل پن از تو بود
طفیل تو بود ایں کلیل وچھلنگ	بمیل تو بود ایں الول و ترنگ
جوانی ز من چوں شنید ایں بیاں	نکو گفت در گوش ہوشم عیاں
کہ اے کل ٹپ و پنج ہر و کھنہ پاں	تو ئی میزبان و منم میہمان
ندانی کہ مہماں نگیرد قرار	بجز ایک شب یا دنا دوئے چار

برو صبر کن با بڑھاپا بسا ز — ازیں پس مکن پا بہ غفلت دراز
بڑھاپا بود مغفرت خواہ تو — رود تا لب گور ہمراہ تو
جوانی و جوبن پڑو بھاڑ میں — کہ آخر ٹھکانا اسی غار میں

تصوّف

در قیام و قعود از کشش نفس مخور غوط — در خدمت حق بازی کنکوہ نباشد
دارد خبر از لذت چپ چاپ عبادت — آنکس کہ شکم سیر بہت کھوہ نباشد
بر تھیہ تتا تھیہ تتا تھیہ منہ دل — تا رقص تو فردا چو سیہ توہ نباشد
بے سود بود توبہ بہ شیبی و بہ پیری — منظور چنیں توبہ پچھلوہ نباشد

مدح عالم گیر

زہے حکمت شاہ اورنگ زیب — کٹا دے لڑا دے بہ فن و فریب
نقارے دماموں سے دھول دھوں کیا — بہ سرنا و کرنا سے پھوں پھوں کیا
عجب ادٹ ایں کھوٹ بیجا پور است — کہ ہر برج او مثل بھنہ سور است
چہ گویم ازیں قلعۂ بے لگاؤ — کہ انگشت را نیست در وے لگاؤ
لگا کوٹ کو مورچہ جا سے کر — نکالا سکندر کو انگلا سے کر
زہے بادشاہ از جڑ و دیو بھوت — بلی و ولی نعمت چار پوت
ازیں ہیں بیٹے نپٹ ناخلف — پسر خود خلف بہ دگرنہ تلف
دگرنہ چہ یارا حسن شاہ را — کہ گرداند امر شہنشاہ را
مگس را چہ طاقت کہ باشاہ باز — بہ ہیجا درآید بود کینہ ساز
چہ پشہ کہ با شیر پہلو زند — چہ پسو کہ با اژدہا پہو زند

چہ خشخش کہ باز ہرہ و مشتری — بہ نخوت زند دعوئی ہمسری
چہ گیدڑ چہ لومڑی بپیش پلنگ — چہ جھینگر چہ مچھی بہ پیش نہنگ
چہ جھٹمل کہ دعوای رائی کند — چہ کھٹمل کہ پُر چار پائی کند
چہ قطرہ کہ سر بار دریا شود — چہ ذرہ کہ اغیار بیضا شود
چہ جھینگر کہ برکوہ چکر زند — چہ مینڈک کمر بر فیل ٹکر زند
چہ جمشید شوزہ چہ عبد الرؤف — کہ دیجئے مٹا تھوک سے چوں حروف
چہ مدناجی پنڈت چہ مرزا خلیل — بیک دھار پیشاب گردد ذلیل
در آفاق بسیار چکر زدم — بہ ہفتاد و دو فرقہ ٹکر زدم
بایں حسن و سیرت چو تو دلنواز — ندیدم دریں سیرگاہ مجاز

سپش نامہ

حضور جہاں شاہ گیتی پناہ — نہ بیداد جوّاں ز ٹل داد خواہ
جوئیں پڑگئیں در قباؤ ازار — نئی آئی مشکل بہ دلّی دیار
آدھی رات تن بیچ اٹھی کلبلی — چو دیدم کہ فوجاں جوانکی چلی
لڑائی پڑی جوّاں سے وقت رات — جواں کا چلا منھ چلا میرا ہات
جواں مارتے مارتے شب گذشت — دلے یک جواں از میاں کم نگشت
کڑوروں جوئیں اور اکیلا منم — دونوں ہاتھ سے تا کجا میزنم
کہ در رقبہ ایں قباو ازار — پھروں کھیلتا ہیں جو دوں کے شکار
بڑا پہلوان است افراسیاب — کہ از زور جوّاں خورد پیچ و تاب
جو را کاس جوّاں کند ترک تاز — شود سرنگوں طرّہ طرہ باز
جواب افضل خان صدر الصدور — جواں مارنے میں نرکھیں شعور

محمد امین خاں ٹرے سار دھول ۔۔۔ جو ان سے گئے چو کڑی مار بھول
جو شہ داد خاں جی بڑے شرع دار ۔۔۔ یہ پیش جواں کھول ڈاریں ازار

جوانی بگذرد در عسرت حال ۔۔۔ بہ پیری پیش آید دولت و مال
بنزد جعفر مسکیں سخن دال ۔۔۔ بداں ماند کہ بوسہ بعد انزال

جعفر زر کوب اصفہان کے رہنے والے تھے۔ بے انتہا ہزال اور مسخرے تھے مگر یہ دو شعر مل سکے۔

از خرام آن صنم تنہا نیاید از مر آب ۔۔۔ میکشد زانداز یک غربیلہ زر وئیں آبش
چوں برد حاصل کس از وصلش کہ ہیچوں آسیا ۔۔۔ مے جہاند از من او در حالت گردیدن آب

جگت ۔ جگت موہن نام ہے الہ آباد کے رہنے والے قوم کھتری ۔ سے ہیں قریب قریب ۳۲ - ۳۳ سال کی عمر ہوگی پہلے ریلوے کے دفتر میں ملازم تھے اب بینک میں ملازم ہیں ۔ شاعری کا ابتدائی عمر سے شوق ہے اور اب بہت اچھی ظرافت کہتے ہیں اگرچہ ظرافت میں پختہ مشقی ۔ اور مراعات النظیر ضلع جگت نہیں پھر بھی اشعار نہایت شگفتہ ہوتے ہیں ۔ بعض بعض ظریفانہ گلدستوں میں آپ کا کلام چھپ چکا ہے ۔ بعض رسالے بھی آپ نے ترتیب دیئے جو طبیعت کے لگاؤ کے موافق تمام ظریفانہ رنگ پر مبنی تھے انھیں سے آپ کے کلام کا انتخاب کیا جاتا ہے ۔ کلام میں بسبب عدم پختہ مشقی بعض بعض جگہ خامیاں پائی جاتی ہیں ۔ مگر عیوب کو فروگزاشت کرنے کے بعد نہایت عمدہ انتخاب باقی رہ جاتا ہے ۔ دہوہرا ۔

بڑے بھفسار ہولی کے جو بھیا ہمرے من پائن ۔۔۔ بلوا بھیج کے توا کے ہاتھن ہمکا بلوائن
بڑی کھاتر سے ہمرا ہاتھ پکڑا لیگئے بھیتر ۔۔۔ بچھونا پھر رسوئیاں والے کمرے ماں دہ بچھوائن

ٹھک کر ناک پر انگلی کو رکھ کر — کہا ایجاد ہے میری ادا کی
غم ہجراں ہے یا پھاگن کی آتش — دل ویراں میں ہولی سی جلا گی
ہوا اس سیم تن سے جب سے سونا — اُسیدن سے مری چاندی کٹا گی
چپت جھٹ مار دیتا ہے اچک کر — بُری عادت ہے یہ اُس بے وفا کی

نہ ہو کیوں کم سنوں کے شربت دیدار میں لذت — مزا دیتا ہے جب پانی تلک بھی کورے برتن کا
مثل لقا کے اکڑنے لگا وہ ماہ لقا — اب جگت کا بھی اڑا ہوش کبوتر بنکر

کیا خلق میں آمادۂ بیداد ہیں مچھر — مر دو سے کچھ کم نہیں شداد ہیں مچھر
پیاسے ہیں یہ ظالم بنی آدم کے لہو کے — سفاک ہیں خونخوار ہیں جلاد ہیں مچھر
چاہیں جسے کاٹیں جسے چاہیں اُسے کھائیں — خالق کی خدائی میں بس آزاد ہیں یہ مچھر
مارے کوئی لاکھ ان کو مگر فائدہ کیا ہے — مشکل ہے یہی صاحب اولاد ہیں مچھر
ہے گانے بجانے کا فن ایجاد انھیں کا — شاگرد جو دھاڑی ہیں تو استاد ہیں مچھر

ہے شب وصل بولو آہستہ — چارپائی بھی کان رکھتی ہے

مدت کے بعد پائی ہے ہمنے شب وصال — دو چار سو برس تو الٰہی سحر نہ ہو

روٹھا ہے مجھسے میرا صنم ہائے باپ رے — کرنے لگا ہے چرخ ستم ہائے باپ رے
بالائے طاق وصل کی امید ہو گئی — چھاتی سے لگ کے بولا صنم ہائے باپ رے
جسطرح مٹ گئے ہیں یہ شاہان ہر زماں — اوڑھیں گے کیا کفن یہ نہیں ہم ہائے باپ رے

گلوری دان چاندی کا کہن بھگوا سے لے آؤ — دسا ور پان ماں بھوجی سے کتھ کھوب لگوائن
کچوری پوری ربڑی دال موٹھا در برفی بتیکو نے — پڑ کیا اور پیپر یا گھر میں اپنے کھوب پکوائن
گرچ ہم کہہ سکت نا ہیں بڑی کھاتر بھئی ہمری — ہمیں تو پیٹ بھر کے اچھا اچھا کھانا کھلوائن
بدل لہنگا دوپٹہ بھوجی گا ئن یاری بلوائن — ہماری گود ماں بیٹھلا کے گانا بھی سنوائن
عبیر اور ابٹنا سب رکھا رہا بھر بھر کے تھریا میں — ملن ہمرے بھی گلوا ماں اور اپنو منھ میں ملوائن
منگائس دارو مہوا کی بہت اچھی سی اک بوتل — بڑے ہی سوک سے بھر بھر کے کلھڑ ہمکا پلوائن

خدا غارت کرے اس کشتہ زن کو — نہ نکلا ٹاٹ کا ٹکڑا کفن کو
ہمہ تن یاس کر دیا تو نے — ستیاناس کر دیا تو نے
دونوں رخسار عنایت کریں اک اک بوسہ — اب مرے واسطے سرکار سے چندہ ہو جائے
دمکا کے بوسہ لوں گا رخ رشک ماہ کا — چندہ وصول ہوتا ہے صاحب بادؔ سے
جہاں بارش کمی کرتی ہو کہیو اپنے دہقاں سے — کہ اپنے کھیت پر لیجائے میری چشم گریاں کو
چشم نے میری اشکباری کی — کاشتکاروں نے کاشتکاری کی
ایک دن رو دیا برائے امتحاں میں ناتواں — سو سمندر ساٹھ نالے لاکھ دریا بہہ گئے
میٹھی نظروں سے جو دیکھا مجھکو — کیا میں حلوہ ہوں مجھے کھائیے گا
حسینوں سے نظر مجھسے لڑی ہے — لڑی ہے یا مری قسمت لڑی ہے
خبر دیتا ہے ہچکی ان بتوں کی — نئی فیشن کی یہ جیبی گھڑی ہے
پھنسے جاتے ہیں سب اسکی گرہ میں — تمھاری زلف ہے یا ہتکڑی ہے
رخ انور پہ اُن کے ہے عیاں خال — یہ بیڈھب دودھ میں مکھی پڑی ہے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی — بت بے پیر پر لعنت خدا کی

جمیل تخلص — جمیل الدین نام — شیخ حفیظ الدین جو تھانیسر ضلع کرنال کے رئیس تھے ان کے فرزند ارجمند تھے۔ ابتدائی عمر سے شعرو شاعری کا شوق تھا اور ابتدائے سن ہی کے زمانے میں نہایت ذہین اور طباع تھے۔ چنانچہ صاحب تذکرہ گلستان سخن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں "کہ ہر چند عمر اس کی ہنوز زیادہ تیرہ برس سے متجاوز نہیں ہوئی لیکن ذہن کی تیزی برق سے اور طبیعت کی شوخی شعلہ ہوا سے زیادہ ہے ازبسکہ حداثت سن کا اقتضا غالب ہے اشعار میں مضامین خندہ انگیز تمسخر آمیز بیشتر باندھتا ہے یہ چند شعر اس کے کلام سے انتخاب ہو کر نذر ظرفائے خوشمزاج ہوتے ہیں۔

رواں جو سوئے فلک آہ کا دھواں ہوتا — تو اک جہاز دخانی یہ آسماں ہوتا
چڑھا ہی لیتا اڑنگے پہ اُس ستمگر کو — جو آج کو میں زبردست پہلواں ہوتا

ترے کوچہ میں آنے نہیں دیتا ہوں غیروں کو — بنا میں ہیکڑی سے اپنی چوکیدار پھرتا ہوں
ترے غم نے مجھے بخشا ہے اب ساماں عشرت کا — کہ شکل اپنی بنائے شل موسیقار پھرتا ہوں
کہا میں نے کہ اک دن تو ذرا چہرہ دکھا دیجئے — اسی کیواسطے اتنا ذلیل و خوار پھرتا ہوں
تو ہنس ہنس کے لگا کہنے کہ یوسف تو نہیں ہے مجھ — کہ ہر اک کو دکھاتا جلوۂ دیدار پھرتا ہوں

اُسپہ عاشق ہوں پر نہیں یہ خبر — شکل گوری ہے یا کہ کالی ہے
سیم کی طرح دل گداز میں ہے — میرا سینہ ہے یا کٹھالی ہے
کھودتی ہے ہر ایک کا سینہ — تیری مژگاں ہے یا کدالی ہے
آنکھ پوچھے تو دے جواب وہ لب — اک جوابی ہے اک سوالی ہے
زلف سلجھی رہی تو ہے وہ کمند — اور الجھی رہے تو جالی ہے
ہم غریبوں کا بستر اک ہے — اک پرانی پھٹی نہالی ہے

مت بُرا مانیو جمیل اُسکا — اُس کی گالی نہیں سہانی ہے

جوشش - ان کا اصلی نام رحیم الدین تھا - مگر لوگ رحمو رحمو پکارتے تھے - اور اسی نام سے مشہور ہو گئے تھے - تذکرہ خمخانہ میں ان کی نسبت لکھا ہے کہ پڑھے لکھے تھے مگر مصنف گلشن بے خار کہتے ہیں کہ یہ ایک بازاری اور عامی آدمی تھے - ہولیوں میں کوچہ و بازار میں غزلیں گاتے پھرتے تھے - اور ہلیاروں کے ساتھ خوب ہلڑ مچاتے تھے ۱۲۳۲ھ میں زندہ و بخیریت تھے مصحفی نے ان کو اپنا شاگرد لکھا ہے - ان کے شعر ظریفانہ تو کیا ہوتے مگر شوخی طبع کا پتہ ضرور دیتے ہیں ایک شعر اسی انداز کا ملا ہے - جو اگرچہ وثوق کے ساتھ ان کا نہیں کہا جا سکتا مگر اہل تذکرہ نے متفق طریق پر انھیں سے منسوب کیا ہے ممکن ہے کہ اور بھی کلام اسی انداز کا ہو مگر مجھے مل نہیں سکا -

بتے جو کہا تجھ بن کیا کیا نہ الم گزرا — بولا کہ ابے تیرا ردتے ہی جنم گزرا

جو کر - حسن جعفر نام ہے لکھنؤ کے رہنے والے ہیں ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں نہایت رنگین مزاج شوخ زبان یار باش ملنسار خلیق زندہ دل آدمی ہیں اب چند روز سے شوخ تخلص کرتے ہیں - گو ظریفانہ شاعری کی عمر زیادہ نہیں ہے مگر اپنے احباب کی شاعرانہ گرمی صحبت سے آپ کی سخنگوئی بھی درجہ کمال پر پہونچی ہوئی ہے مجھسے اچھی خاصی ملاقات ہے - مشاعروں کی صحبتوں میں آپ برابر شریک ہوتے ہیں اور قریب ہر شاعر اور سخن فہم آپ کے نام سے واقف ہے - آجکل معراج الادب میں جو لکھنؤ کے ایک مخصوص طبقہ شعرا کی انجمن ہے - آپ بھی شریک ہیں اور ہر مشاعرہ میں اپنی ظرافت سے سامعین کو محظوظ فرماتے ہیں - اسوقت ۱۹۲۸ء میں آپ کی عمر چالیس بیالیس برس کی ہو گی - مجموعہ تبسم گل کی ترتیب کے وقت میں آپ کا کلام حاصل کرنے کے لئے

آپ سے ملا تھا اور آپ نے نہایت اخلاق سے خود یہ کلام عنایت کیا تھا۔ آج مجموعۂ مذکور سے کلام کا انتخاب کر کے اس تذکرہ میں درج کرتا ہوں جی چاہا تھا کہ اس تذکرہ کے لئے جدید کلام حاصل کروں۔ مگر فرصت کی قلت ہے اور لکھنے کی عجلت اس لئے اُسی پہلے کلام کو تبرکاً سمجھ کر لکھتا ہوں۔

سوکھے ہیں بال کہہ دو مرے سوگوار سے
تھوڑا سا تیل لے لے چراغ مزار سے

چمن میں اُنکی کوٹھی سے بلند اپنا مکاں ہوتا
کہ اُن کی جھونجھ کے اوپر ہمارا آشیاں ہوتا

اگر وحشت کی لیتا قیس اور مجنوں فغاں ہوتا
تو پی لیلی اکے اوپر اونٹ پر ساربان ہوتا

کسی کے کان پھٹ جاتے تو کوئی گونگا ہو جاتا
اگر بندہ نصیب دشمناں محو فغاں ہوتا

قفس میں آب و دانہ مفت کا تھا یہ بچت ہوتی
کرایہ پر چلا دیتا جو میرا آشیاں ہوتا

میں دُبلا اور وہ موٹے چھپکلی مٹکے پہ کیا پھرتی
جو اُچکاتے وہ اپنی توند تو پھر ہی کہاں ہوتا

حسیں چھینے سدیشی تھے بناتے جھنڈیاں اُنکی
جو سمہ میں میر اگر یہاں دھجیاں ہوتا

گزرتیں اونٹ کے کوہان پر سب وصل کی راتیں
اگر خود ناقۂ لیلیٰ کا مجنوں ساربان ہوتا

کسیکے دس گھر کے کھیلنے میں کام آ جاتا
مرادِ دل نہ ہوتا کاش املی کا بیاں ہوتا

بسیرے کے لئے پھر کیوں کسی کی جھونجھ میں گھستا
مرے صیاد۔ جو کرگا اگر آج آشیاں ہوتا

عاجز ہوئے ہیں گرمیٔ روزِ شمار سے
مردے نکل کے بھاگ رہے ہیں مزار سے

حاجت ہوئی جو چولھا بنانیکی یار کو
کچھ گمٹے کھود لیگیا میرے مزار سے

لنگڑیاں دے کے ٹکر دی کی نہ لف وتا کی ڈور
الفت میں پیچ پڑ گیا اب مانگدار سے

وعدے میں تیرے جھوٹ کا بوجھ اسقدر نہ ہو
جو لدے گر پڑے نظر اعتبار سے

اولاد ہے آدم کی مانا کہ ہے سودائی — اس رشتہ سے تو مجنوں لیلیٰ کا ہوا بھائی

کھاتے ہیں قلابازی ہیں جتنے تماشائی — کس قسم کی ہے ورزش ظالم تری انگڑائی

جب پردۂ محمل سے لیلیٰ ہوئی تماشائی — مجنوں نے حماقت کی گر جو پیچ نہ دکھلائی

عشاق گراں جانسے ہاری شب تنہائی — یہ کہتی ہوئی بھاگی مردو نہیں ہیں یہ تمہیں آئی

کیوں ہر کس و ناکس کے مردے کو جلاتے ہو — ٹھینگے میں نہ ملجائے اگر روز مسیحائی

دہم اُن کا دم رخصت کام آیا بہت میرے — وہ بیٹھ گئے اُٹھ کے جب چھینک مجھے آئی

کمبخت کو گگھی سے فرصت ہی نہیں آتی — اللہ کرے اسپر عاشق ہو کوئی نائی

یوں لیلیٰ و مجنوں کو ہم عمر چڑھاتے ہیں — تسلیم بڑی بھابی آداب بڑے بھائی

جب سامنے آتا ہے تم دیکھ کے ہنستے ہو — آخر تمہیں جوکر کی کیا چیز پسند آئی

منھ شیخ نہ لگ شیفتۂ زلف دوتا کے — داڑھی کو تری نوچ نہ لے ہاتھ بڑھا کے

صیاد کا بندہ ہے مگر جھونجھو کا دشمن — اللہ کرے گر پڑے ٹھنگی پہ یہ جا کے

جو آہ مرے صبر میں حائل ہوئی اُسکو — بالائے ہوا پھینک دیا ٹانگ گھما کے

دیکھوں تو گراتا ہے فلک برق کہاں تک — رکھتا ہوں یہیں باغ میں جھونجھو لگا کے

کوئی مجھے اس بھول بھلیاں سے نکالے — رہتا ہوں دریا پہ میں گھوم گھما کے

جب فجر کو کھل جاتی ہے مجنوں کی کبھی آنکھ — دیتا ہے اذاں اونٹ کے کوہان پہ جا کے

جوکر ترے انداز ظرافت کے تصدق — رنگ اپنا جمایا بھری محفل کو ہنسا کے

دل توڑ دیا میرا اُس بت نے نہ یہ جانا — بن جائیگا یہاں تکیہ ٹوٹا جو صنم خانا

مقتل میں یہ کہتا ہوں دلسے کہ نہ گھبرانا — جب قتل کا وقت آئے چپکے سے کھسک جانا

مجنوں کی طرح ہوتا فرزند بھی دیوانا — اللہ جو لیلیٰ کو دکھلاتا زچہ خانا

ساقی سے مرے کسکی ہمت ہے جو مے مانگے
اک ہاتھ میں جوتا ہے اک ہاتھ میں پیمانا

آہ دل سوزاں ہے یا آپ نخ ہے ظلموں کی
عشاق کی محفل ہے یا کوئی چرس خانا

دھڑکن سے مرا دل بھی کچھ کم نہیں ہنڈ کی سے
ادنیٰ سا کرشمہ ہے دو ہاتھ اچھل جانا

یہ ہے دھوتی روٹی کپڑے کا یہ منظر حشر ساماں ہے
کہ سارا چوک ہے اور ایک جم کر کا گریباں ہے

ادھر دریائے خوں جاری اُدھر انبار مردوں کے
یہ کوئی مرگھٹا ہے یا زمین کوئے جاناں ہے

انھیں جلاد سے سرگوشیاں کرتے جونہی دیکھا
تو میں یہ کہہ کے بھاگا اب یہاں کچھ اور ساماں ہے

عجب کیا ہے جو وحشی حرکتوں سے اپنی باز آئے
اگر سب ملکے چلائیں گریباں ہے گریباں ہے

دسہرے میں جو پوچھی اُنسے خیر و عافیت دل کی
تو فرمایا کہ وہ ٹیسو تو زیب طاق نسیاں ہے

کیا ہے گردش ایام نے لیلیٰ کو بھی پاگل
لئے ہے چیتھڑے کہتی ہے مجنوں کا گریباں ہے

زمیں کے اسطرف آباد ہیں سب اہل امریکہ
تو کیا یہ ملک بھی منجملہ گور غریباں ہے

ہزاروں ہی سڑی سودائی اسنے کر دیے پیدا
میاں جو کہ یہ دنیا کیا ہے دیوانوں کی ماں ہے

وہ دن نزدیک ہے اس گھر میں اک شادی رچی ہوگی
ہمارا چھوکرا ہوگا تمھاری چھوکری ہوگی

جو حال آیا تو یہ حالت تمھاری شیخ جی ہوگی
بندھے ہونگے یا تو نمبر گھنگرو گلے میں ڈھولکی ہوگی

شریک بزم جاناں بند کر لو اپنی آنکھوں کو
وہ آتے ہیں نقاب اُلٹے ہوئے بے پردگی ہوگی

نگاہوں سے تمھاری ڈرنے والے دہی ہونگے
دکھائی آنکھ اگر مجھکو تو انگلی بھی نکدی ہوگی

اُسے تو آپ ہی شاید کہینگے اپنا دیوانہ
کہ جسکے جسم بھر میں اک لنگوٹی گیروی ہوگی

میں سنتا ہوں کمر معشوق کی معدوم ہوتی ہے
وہ کیا شے ہے جو اسنے تیل پر میرے کسی ہوگی

گذر جائے گا کوئی انتظار شوق و ملت میں
خدا کی مار تم پر اب یہ کنگھی ختم بھی ہوگی

بڑھا دی حضرت گاندھی نے پیداوار ترکوں کی
خدا چاہے تو ہر نسخے میں رومی مصطگی ہوگی

طواف کعبہ کرکے بھی مقدس جو نہیں ٹھیرا
خر عیسیٰ نہ ہوگا میرجی کی وہ گدھی ہوگی

ورے یہاں کے لئے ہے پرے وہاں کیلئے
پچھاں نہاں کیلئے ہو زباں پچھاں کیلئے

کبھی یہاں کیلئے اور کبھی وہاں کیلئے
میں صاف کیا کہوں تجھ سے کہاں کہاں کیلئے

لگائے یار نہ جوتہ تو دل درست نہ ہو
یہی تو ایک مرمت ہو اس مکاں کیلئے

میں چنگے لایا ہوں بہرام گھاٹ کے لٹھے
بہت حقیر یہ تنکے ہیں آشیاں کیلئے

ہزار عاشقوں کا خوں کیجئے لیکن
کہاں وہ بات جو تھی تیس مار خاں کیلئے

یہ کوئی کھیل نہیں ہے ذرا خیال رہے
دیا ہے دل تمہیں جو کرنے امتحاں کیلئے

جوئندہ یابندہ یہ نہ کوئی نام ہے نہ تخلص۔ مگر اودھ پنچ میں کسی مفقود الاسم مجہول الحال شاعر نے اسی نام سے اپنی غزل دی تھی لہٰذا مجھکو بھی مجبوراً اسی صورت سے لکھنا پڑا۔ حال وغیرہ معلوم نہیں غزل ملاحظہ فرمائیے۔

دل سوئے دلربا روانہ ہے
واہ کیا منقلب زمانہ ہے

جورو کہتی ہے دو میاں کو طلاق
مرد عورت میاں زنانہ ہے

جسکو کہتے ہیں غنچۂ سوسن
میری شیریں کا وہ دہانہ ہے

آجکل کے حکیم ہیں عطار
سب کے گھر میں دوائی خانہ ہے

مسی اسدرجہ گہری کتھوپی ہے
اُن کا منھ کالا جیل خانہ ہے

غیر کی آنکھ میں سور کا ہے بال
دیکھتا سب کو دشمنانہ ہے

جمع اک جا ہیں عاشق و معشوق
صبح وصلت کا یہ دوگانہ ہے

تل نہیں اُن کے گورے گالوں پر
آیا صدقے کو کالا دانہ ہے

حرف جیم فارسی

چچا یہ تخلص ہے اور نام سید اسحاق ہے۔ دلی کے ایک پیرزادے ہیں۔ مگر تخلص ایسا اختیار کیا ہے کہ تمام دنیا کے چچا بن گئے ہیں طبیعت میں انتہائی ظرافت ہے۔ آپ کا مشاعرہ ہونا دودھ میں چاے کا ہونا ہے۔ سردست حیدرآباد میں مقیم ہیں۔ دو مضمون آپ کے مخصوصات میں سے ہیں اور شاید کہ دونوں خود آپ کے تلخ تجربہ پر مبنی ہیں یعنی ایک اطباے حیدرآباد کی نومشقی کے خطرناک نتائج۔ اور ایک چاندنی رات کی چوریاں۔ اور جگہ چاندنی رات چوروں کے آرام کا زمانہ ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت چچا کو اس کے خلاف سابقہ ہوا آپ کی ایک غزل رسالہ اردو سے نقل کی جاتی ہے۔ وہو ہذا۔

بھلا کہیئے تو کیوں سننے لگا تھا پاسباں میری
مجھے پٹوا کے خود ہی آپ سن لیں داستاں میری

اندھیری ہی بھلا میں اسی کی قدر کرتا ہوں
شب مہتاب میں اکثر ہوئی ہیں چوریاں میری

جناب شیخ مجبوری ہے تو اب اے آل حاضر ہے
کہ سب کام آگئیں نوبت بہ نوبت مرغیاں میری

ملٹھی کاسنی کب تک گیا تنک خطمی وخیری
دوائیں اب تو بدلو اے حکیم نیم جاں میری

چرکین شیخ باقر علی نام تھا۔ قصبہ ردولی کے رہنے والے تھے مگر مصنف تذکرہ گلستان سخن ان کو لکھنؤ کا رہنے والا کہتے ہیں اور علی الزعم سب تذکرہ نویسوں کے یہ بھی لکھتے ہیں کہ چرکین نے اول اول مضامین غلیظ محض ہزل اور تفریح طبع سمجھکر لکھنا شروع کئے تھے" لیکن رفتہ رفتہ اس قال کو حال بنالیا اور اس گندہ ذہنی نے اُسکو اگھوری بنادیا۔ گویا یہی اُس کے بدن میں رچ گئی تھی۔ مدام لباس چرک پہنتا اور ایسی میلی کچیلی وضع رکھتا کہ اجنبی اُسکو سچ مچ حلال خور

سمجھتا۔ صحبت کا اثر مشہور ہے یہاں صرف تصور اور خیال نے یہ تاثیر کی کہ صحبت کو برے بٹھلا دیا حق یہ ہے کہ جو ابتدا میں کہتا تھا انتہا میں کر دکھایا۔ آخر الامر لال بیگ کی صحبت اور گوگا پیر کی ہمنشینی کے شوقین شہر کے مقامات پاکیزہ سے بھاگ کر صدہا آرزو کا ٹوکرا سر پر رکھے ہوئے بطریق پاتراب کے جنگل کے کسی کوڑے پر اوّل منزل کی" غرض یہ کہ ہمارے نزدیک چرکین نے اگرچہ رنگ نہایت ہی مہمل اور برا اختیار کیا تھا۔ مگر وہ اپنے طرز کے استاد بے بدل تھے۔ گو اچھا لانے کو اپنے دیوان کی ایک مکمل اور لاجواب صنعت بنا دیا ہے۔ اور اس غلیظ کی چھینٹوں سے اسکا دامن شاعری کمال کا ایک رنگین گلزار پر بہار معلوم ہوتا ہے۔

کہن سال بزرگوں سے سنا ہے کہ ان کے مختلف شاگرد تھے۔ جن میں سے دو نہایت مشہور اور اپنے استاد کے رنگ کے مشتاق تھے۔ ایک کا تخلص گوڈر۔ اور دوسرے کا حیض تھا۔ جسکا نام اگرچہ معلوم نہیں ہو سکا مگر دو دو چار چار شعر مل گئے ہیں۔ جو اُن کے تذکرہ میں درج کروں گا میرا ارادہ ہے کہ اب دیوان چرکین کا ایک ایسا مکمل انتخاب پیش کروں کہ اُسکے بعد اُن کے دیوان کے دیکھنے کی کسی احتیاج باقی نہ رہے۔ گو کہ اب دیوان چرکین ایک انتخابی صورت میں چھپ گیا ہے اور وہ عام طریقہ سے ملتا ہے۔ مگر میں قدیم اور مکمل دیوان سے انتخاب کرتا ہوں جس میں بہت سے وہ شعر ہیں جو مروجہ دواوین میں نہیں ہیں۔ انتخاب میں بعض وہ شعر بھی دوں گا جن میں چرکین نے اپنی وضع کے التزام کے ساتھ ساتھ محاورات بھی صرف کیے ہیں۔ اور اپنے کمال کا اتنا بڑا سکہ بٹھا دیا ہے جسکا ازالہ دشوار تر اور ناممکن ہے

گو ہاچھی چھی ہو گی اکدن گوہ گھیرا آبدست　　مدعی کو گو میں نہلائے گا جاناں کا تپاک
گھیرے ہی رہتے ہیں اغیار نجس اس ترک کو　　لینڈیوں سے بند ہو گیا ہے شیرلستان کا تپاک
موتنے میں تم چلی پھسکی جو کوئی چھوڑ دو　　برق باراں سے نہ چھوٹے ابر باراں کا تپاک

جب سے بڑھا ہے شیخ کا مہترپسر سے ربط　　بدلا ہے گوہا چھی چھی سے اُن کی قبا کا رنگ
پاخانہ اُسکے فیض سے رشکِ چمن بنا　　گندہ بہار میں بھی نہ بدلا ہوا کا رنگ

موت کی دہار سے بدتر میں سمجھتا ہوں اُسے
کسکو دھمکاتا ہے چمکا کے دو دھار اسی قاتل

سونگھیں ہو گئی ایسی ہری صورت دم نزع
ہگدے دہشت سے جو دیکھے مرا لاشا قاتل

دست بر دست چلے آتے ہیں لے جلد خبر
ترے بیمار کا اب حال ہے پتلا قاتل

دست بردار ہو ان باتوں سے آجانے دے
قتل چرکیں کو نکر گو نہ اچھلوا قاتل

تنگ آئے ہیں دنیا کی گوہا چھی چھی سے
ہو قبض روح نجس چھوٹیں اس عذاب سے ہم

فلک ہو طشت ستارے ہوں ٹھیکیاں گو کی
جو گو کے چھوت کو نسبت دیں آفتاب سے ہم

ہو اُسکی کھڈی میں صرف اپنے کالبد کی خاک
یہ چاہتے ہیں زمانہ کے انقلاب سے ہم

بنائے چرخ بریں طشت کہکشاں کھڈی
ہگے گا کونسا شوکت نشاں نہیں معلوم

ہمارے پاس بناتا ہی گھر جو اے منعم
ہمارے ہگنے کی کیا داستاں نہیں معلوم

ہمیشہ رہتے ہو بیت الخلا میں تم چرکیں
جہاں میں کسکو تمہارا مکاں نہیں معلوم

دماغ کمیہ خوش آتی ہے اُسکے موت کی بو
کبھی نہ سونگھیں اگر دے کوئی گلاب ہمیں

سڑے کیطرح سے گو ہتاپتے پھریں کبتک
جمال اپنا دکھا او پری شتاب ہمیں

کپڑے چرکین جب بدلتے ہیں
عطر کے بدلے موت ملتے ہیں

نہیں کہتے ہیں غیر ہمکو برا
اپنے منھ سے وہ گو اگلتے ہیں

کس شجر کے ثمر ہیں سیب ذقن
نہ تو گلتے ہیں یہ نہ سڑتے ہیں

بزم جاناں میں پادتا ہے غیر
ہر طرف سے اشارے چلتے ہیں

تیرے بیمار کے ستلے غمخوار
پوتڑے دمبدم بدلتے ہیں

طبع چرکیں بھی طرفہ سانچا ہے
گو کے مضمون جسمیں ڈہلتے ہیں

سگ دنیا جو ہیں کب جود و سخا رکھتے ہیں
گو بھی بلی کیطرح سے وہ چھپا رکھتے ہیں

گوہا چھی چھی کے سوا کچھ نہیں حاصل اس سے
گو وہ کھاتے ہیں جو امید وفا رکھتے ہیں

گوز کی بو سے معطر ہے چرکیں کا دماغ
تجھسے امید یہ اے باد صبا رکھتے ہیں

سمجھتا ہے اُسے گوزِ شترِ بیدِ محمل میں
پئے جمازہ گر مثلِ جرس فریاد کرتے ہیں

رقیبوں سے تو تھا روہ ملاہی اسقدر ہاں کا
متماحبت نگر بیت الخلا میں یاد کرتے ہیں

اٹھائے گو مرا کیونکر نہ بجز فی شتی حق یہ
سعادتمند لڑکے خدمتِ استاد کرتے ہیں

طلب کرنے نے انکے کر دیا مجبور یوں مجھکو
چلا جاتا ہوں ہگتا یاد ناجب یاد کرتے ہیں

دنیا کی نجاست سے بری گوشہ نشیں ہے
رغبت نکرے گو یہ کبھی زاغ کماں کا

سُدّہ دل کو کیا یوں سے اگر دیجئے تشبیہ
پاخانہ میں عالم ہو کیابی کی دکاں کا

چرکین مرے کوچے میں کہیں ہنے نپائے
مہتر کو یہی حکم ہے اس آفتِ جاں کا

پھر گفتگوے پوچ لگی آنے زیح میں
پھر گوزِ بندہ یار کی گفتار نے کیا

گو میں نہائیں خوب سے جھاڑے گئے کمال
بوسہ طلب جو یار سے اغیار نے کیا

تو نے آنا جو وہاں غنچہ دہن چھوڑ دیا
گل پہ پیشاب کیا ہمنے چمن چھوڑ دیا

عطر کی بو سے معطر ہوا بلبل کا دماغ
گوز اک تو نے جو اے غنچہ دہن چھوڑ دیا

ہے متوڑا طفلِ اشکِ غیر دامن میں لئے
موت بھر جائیگا پاکیزہ تری پوشاک میں

یاد الوفی سلہے چرکین ناز سے بولا وہ شوخ
دب گیا ہوگا وہ گھورے کے خسِ خاشاک میں

موت کے کہتا ہو ہمسے اپنے کوچہ میں وہ گل
اس روش کی آبجو کوئی گلستاں میں نہیں

چرکین غرض نہیں گل و گلزار سے ہمیں
مطلب ہے پائخانہ ولدار سے ہمیں

کرتا ہوں عرضِ حال تو کہتا ہو گو نہ کھا
ہوتا ہے دردِ سر تری گفتار سے ہمیں

کاش گھورے سے ہو قسمت کا ترے زر پیدا
تو بھی چرکین چلن نیاریوں کا کر پیدا

گردنِ شیخ پہ رندوں نے رکھا بارِ گناہ
کھاد اٹھوانے کو اچھا کیا یہ خر پیدا

گو نہ کھا پوچ نہ رندوں کو سمجھ جھوٹ نہ بول
صوفیا ہوش میں آ عقل و خرد کر پیدا

کوچۂ یار میں پھولا ہے جو گوگر متّا
بلبلو ہوگا نہ پھر ایسا گل تر پیدا

اُسکے رکھ خانے کی دیوار پہ کنگل کیجئے
لید گر تو ر فلک کی ہو زمیں پر پیدا

وصف گیسوئے معنبر میں غضب جرکیں نے
گو کے مضمون کئے عنبر سے بھی بہتر پیدا

چمن میں پھینکا اُس گل نے جو استنجے کے ڈھیلے کو
گلیلہ بن کے توڑا سنگ دانہ اُسنے بلبل کا

نظر پڑے جیسے وہ ہاتھ اُس کو دست چھٹے
کبھی جو باغ سے مل کروہ گل حنا نکلا

اگر بیت الخلا یار جرکیں کا مکاں ہوگا
وہیں تسکین دل ہوگی وہیں آرام جاں ہوگا

سمندر گوز نکلے گا تو جاں خفت سے جائیگی
یہ گھوڑا توسن روح روان کا ہم عناں ہوگا

اگر تعریف بھی کیجئے تو ہوجاتے ہیں کھسیانے
جرک پدنا نہ تمسا بھی کوئی اے مہرباں ہوگا

فلک نے مار ڈالا کیسے کیسے ہگنے والوں کو
مقرر اس برس کچھ کھاد کا سودا گراں ہوگا

ہگ ہگ دئے یاد یاد دئے وہ ملے بوجھ کے
میرا جو طوق قیس کے زیب گلو کریں

جو لوگ شیفتہ ہیں ترے سرو قد کے یار
پیشاب بھی نہ جاکے لب آبجو کریں

موت کی تھالی ہے یہ تو ساقیا ساغر نہیں
خون سور کا ہے اسمیں بادۂ احمر نہیں

کھانا پینا موتنا ہگنا نہ کیونکر بند ہو
زیست کا جس سے مزا تھا پاس وہ دلبر نہیں

گو میں جو ڈالے گا ڈھیلا کھائیگا چھینٹیں ضرور
شیخ صاحب بخشنا رندوں سے کچھ بہتر نہیں

عمر جرکیں کا ہوا گل تو بت پر فن چراغ
کھڈیوں میں مہتر و نکی گھی کے ہیں روشن چراغ

میلہ ہے گوگا پیر کا چھڑیوں کی سیر ہے
چلئے نواز گنج کے بازار کی طرف

جوشش جنوں میں ہمکو یہ پاس ادب رہے
موتا نہ او پری ترے دیوار کی طرف

مژدۂ وصل آئے جائے فراق
ہنگ ہگتے ہیں مبتلائے فراق

ہگ چکے خون عاشق ناشاد
اب کوئی اور رنگ لائے فراق

بھلا کیونکر نہ آئے دست لے جرکیں مجھے خوں کا
تصور جب بندھے رونے میں اُسکے روئے گلگوں کا

ہزار دل پیچ اُٹھیں پیٹ میں وحشت سے ہگ مارے
سنے گر سانپ افسانہ بتو نکی زلف شبگوں کا

پاخانہ دہیں ہوگیا گلزار تمہارا
کھڈی میں گرا لوٹ کے جب یار تمہارا

پیدا ہوں ہر اک دانہ کی جا سینکڑوں خرمن
گو مول لے جرکیں جو زمیندار تمہارا

بیت الخلائے یار میں کیا غیر جا سکے — دہشت سے گوز بند ہے اُس نابکار کا

پھولے پھلے ہر اک شجر خشک باغباں — تھالوں میں گر گو پڑے جو مرے گلعذار کا

کیا کہیں تجھسے کہ کیا کیا ہوئی جرکیں کی ہجو — پائخانہ میں بدن دیکھ کے عریاں تیرا

مجھسے جو جرکیں وہ خفا ہو گیا — رُعب سے پیشاب خطا ہو گیا

طائر ذکر و مدح غیر بھی — گوز کے مانند ہوا ہو گیا

وصل کا وعدہ کیا بیت الخلا میں یار نے — پنجۂ مژگاں سے جھاڑ اچاہیئے پاخانہ آج

خواہش آرائش گیسو ہے جرکیں یار کو — چاہیے پنجہ کی ہڈی سے بنانا شانہ آج

شیخ جی کو پھر طبیبوں نے بتایا ہے عمل — ہو گیا پھر آجکل اُن کو خلل سرسام کا

سامنے اُسکے نہ کیجے گفتگو ہر ایک سے — گو اچھالے گا بہت جرکین اپنے نام کا

سنے گر رستم دستاں تو ہگدے کارے خطرہ کے — غرض اظہار کے قابل نہیں ہر از نہاں اپنا

قبض سے اب یہ حال ہے صاحب — پادنا بھی محال ہے صاحب

شیخصاحب سر مبارک پہ — ق — یہ سڑی سی جو شال ہے صاحب

رند کہتے ہیں پھبتیاں اسپر — لینڈی کتے کی کھال ہے صاحب

اب کے جرکیں جو زر کماؤں گا — پائخانہ میں سب لگاؤں گا

موتنے پہ کبھی جو آؤں گا — سیر دریا انھیں دکھاؤں گا

تیرے گھر سے جو اب کے جاؤں گا — موتنے بھی کبھی نہ آؤں گا

فخر ہوگا میں تیرا عاشق ہوں — گو بھی تیرا اگر اٹھاؤں گا

نوجوانو ضعف پیری پر مرے ہنستے ہو کیا — آگے آئیگا یہ دریا کا ہگا ہو جائیگا

روز و شب ہگنے سے تم اُسکے خفا ہوتے تھے — مہتر و خوش رہو جرکیں نے وطن چھوڑ دیا

سامنے اعلیٰ کے اسفل سرکشی کرتا نہیں — سامنا پھسکی سے ہو سکتا نہیں ہے پاد کا

ایکدن بھی دل نہ اُس بُت کا پسیجا تھر ہے — تھا مگر گوز شتر نالہ دل ناشاد کا

پادنے میں شیخ کیا میرا کرے گا سامنا مجھ میں اسمیں فرق ہے شاگرد اور اُستاد کا

یہ دعا ہی روز و شب چرکیں کی گو گا پیر ہے میں بھی اب مہتر بنوں جا کر الہ آباد کا

چِناں - اس تخلص کا ایک مختصر دیوان میری نظر سے گزرا جسکے متعلق تحقیق کرنے پر بعض احباب سے معلوم ہوا کہ جناب اُبّی صاحب جلیس کا یہ دیوان ہے موصوف لکھنؤ کے ایک باکمال شاعر تھے تفنن طبع کے لئے کبھی کبھی اس رنگ میں بھی طبع آزمائی فرماتے تھے۔ غالباً طبیعت کے استغنار اور ذاتی وجاہت نے اجازت نہیں دی کہ اس قسم کے کلام کے ساتھ اپنے نام نامی کو ظاہر فرمائیں۔ ممکن ہے کہ یہ خیال صحیح ہو۔ مگر سعدی۔ انوری۔ عُبید زاکانی وغیرہم حضرات جو بلا مبالغہ افراد کاملین زمانہ میں سے شمار کئے جاتے ہیں وہ بھی اس رنگ میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں اور ظرافت کو بھی اپنے کمالات کا ایک جزو سمجھکر اپنے کلام کے ساتھ شامل کر گئے ہیں اس حالت میں اگر لکھنؤ کے ایک باکمال کا نام بھی زمرۂ ظرفا میں شامل ہو تو کچھ نقصان رساں نہیں ہو سکتا اسی لئے میں نے اس تذکرہ میں نام پر پردہ ڈالنا کچھ بہتر نہ سمجھا۔ بہت ممکن ہے کہ میری یہ تحقیق صحیح نہ ہو۔ مگر کلام کی پختگی اور متانت بار بار مجھکو یقین دلاتی ہے کہ کسی نومشق کا یہ کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ ظرافت کی برجستگی۔ شوخی۔ محاورات کا استعمال برمحل ہر ایک دیکھنے والے سے مصنف کے کمال کا اقرار لئے بغیر نہیں رہ سکتا چنانچہ انتخاب ذیل سے آپ خود اندازہ فرمائیں گے۔

اثر تھا بار غم ہجر یار پُر فن کا مرے پلنگ کا کھٹمل تُلا کئی من کا

یہ نامہ بر ہے پتہ میرے یار پُر فن کا کہ اُسکے در پہ لگا ہے درخت بیگن کا

گلے میں ڈالدے میرے بھی عشق کا پٹہ کہ میں نے دیکھ لیا طوق تیری گردن کا

دھواں نکلتا ہے ہر بار ساتھ نالے کے نہ کیوں گماں ہو دل سوختہ پہ انجن کا

کرو علاج اگر سر میں بال خورا ہے لگاؤ تیل ہمارے چراغ مدفن کا

بڑھی ہے صدمۂ فرقت سے اب یہ کمزوری　　چبا رہا ہوں دہانہ تمہارے توسن کا
وہ آج قبر کو کھدوا کے لیگیا تختے　　نشاں مٹا گیا بے رحم میرے مدفن کا
دعا چناں کی ہے یہ اُسکا مُنہہ جلے یارب　　چراغ آکے جو پھونکے ہمارے مدفن کا

ٹپکتی ہے ثقالت بھی سخن سے سرگرانی بھی　　کٹھل ہوں باغ جنت کا دھتورا باغ رضواں کا

دیکھنا پھر تو بکے گی دھیلے دھیلے عندلیب　　اور انڈے بچے بھی ہیں دو روز پیلے عندلیب
آتی ہے فصل خزاں پکنے کو ہیں برگد کے پھول　　دیکھنا ہو جائینگے کو دوں کے پیلے عندلیب
اے چناں ہرگز نہ اُس کے آشیاں کو دیکھنا　　آج پنجوں میں لئے بیٹھی ہے ڈھیلے عندلیب

نہ تو اچھے ہیں نہ بیمار ہیں آپ　　نہ ہیں اِس پار نہ اُس پار ہیں آپ
پہلے تھے آپ نہایت لاغر　　اب تو مجھسے کہیں تیار ہیں آپ
دیجئے ہاتھ سے اپنے نہ شراب　　نہ کہے کوئی کہ کلوار ہیں آپ

شاید کھلی نہ آنکھ ہماری تمام رات　　در پر رہی کسیکی سواری تمام رات
گائی جو آکے اُن کی کہاری تمام رات　　ڈھولک بجا کے ہم نے گزاری تمام رات
پھر بھی نہ قطع نخل محبت ہوا چناں　　اُسنے چلائی زور سے آری تمام رات

بنیں تھیں سرخ جیں گر تری تلوار کے پھل میں　　تو کیوں منہہ کھولتے میں زخم دامندار کیا باعث

روٹی نہ ملے گی جو ہوا مجھکو خلل آج　　اللہ کرے خیر کہ کھایا ہے کٹھل آج

کل یار کے گھر جاؤں گا گونڈ دل کا ہی وعدہ
گھلنے کیلئے بھوک کے لیتا ہوں عمل آج

صحرائے عشق میں نہیں مجھ سا شکستہ پا
منزل تمام کرتا ہوں تیمور کی طرح

بگلے کی طرح عشق میں چہرا سفید ہے
چلنے لگا ہوں چال انیفور کی طرح

دیوار یار مینھ نے گرائی ہے دوستو
اینٹیں اٹھا رہا ہوں میں مزدور کی طرح

باتیں کریں گے آکے بلندی پہ آپ سے
گنڈوں کے ڈھیر کر رہے ہیں طور کی طرح

دیکھا نہ ما کیان چناں کو کبھی کڑک
انڈے دئے گئی وہ انیفور کی طرح

راضی ہوں سر کا درد ہو یا ہو جگر کا درد
سب سے جھگوں مجھے جو خدا دے کمر کا درد

میرا خیال ایک فقط آپ کو نہیں
حیوان میں بھی ہوتا ہے ماوہ کو نر کا درد

چونے سے پڑ گئے ہیں لبِ اُن کے مُنھ میں چھالے
پھولا ہوا ہی پورا گلزار منھ کے اندر

پانوں کے نام سے وہ پہونچا ہے ہیں چونہ
تیار ہو رہی ہے دیوار منھ کے اندر

یار کے روئے مخطوط کے قریں کچھ خال ہیں
آج آبادی نظر آئی مجھے جنگل کے پاس

جو بناتے تھے مکانِ یار خاص
مر گئے افسوس وہ معمار خاص

دوسرے خیاط کی کیا جان ہے
سی نہیں سکتا تری شلوار خاص

گونگے کو کچھ بھی خوف نہیں ہے گناہ کا
لاحول سے غرض ہے نہ شیطان سے غرض

کھد جائے گھر صنم کا چناں گر تو خوب ہے
وحشی ہیں یہ انھیں تو ہے میدان سے غرض

ممکن ہے بھلا یار کی فرقت میں کہاں ضبط
کھنچ آئیں سب آنتیں میں کروں کچھ جو فغاں ضبط

گر جنس محبت کے خریدار نہ ہوں گے
ہو جائیگی ساری دل مضطر کی دکاں ضبط

جس طرح سے چھینے گئے ہتیار سبھوں کے
ہو جائے الٰہی دلِ مضطر کی دکاں ضبط

ہے مملکت دل پہ تو اس شوخ کا قبضہ
ڈرتا ہوں نہ ہو جاؤں کبھی میں بھی یہاں ضبط

آتی ہے فصل محرم جاؤ گھر گھر مانگنے
پر جلاؤ میری تربت پر جہانسے پاؤ شمع

کس جرم پہ چلتی ہوئی لکڑی مجھے ماری
دکھلاؤ تو لگا ہے تری کھچڑی میں کہاں داغ

دل بیٹھنا کیسا مری جان لیٹ گیا ہے
اس درجہ ہوا ہے تری فرقت کا گراں داغ

مبروص وہ شاید مجھے مشہور کریں گے
بل دیتے ہیں چونہ میں دکھاتا ہوں جہاں داغ

فرقت میں بھی جلتے ہیں ترے وصل میں بھی ہم
المختصر اے یار چنیں داغ چناں داغ

عید کے دن یوں گلے لپٹا وہ مجھسے دوڑ کر
جسطرح سے باز آتا ہے کبوتر کی طرف

بے ستوں پر ایک بورا بھر کے بھیجا اے کوہکن
ہے جو وہ شیریں تو خود آئیگی شکر کی طرف

گھیرے ہوئے ہیں گھر کو ترے بے خطر عاشق
بیٹھے ہوئے ہیں شام سے دیوار پہ عاشق

جتنے ہیں غرض سب کو ہے دھڑکن کی شکایت
کھجوائیں نہ کیونکر عرق نیلوفر عاشق

عاشق کا چناں عین غزل بھر میں ندارد
معشوق کو دیتے ہیں اسی طرح سر عاشق

یا ندیدہ جانتے ہیں مجھکو وہ یا بد نظر
شغل ہے نوشی میں کہتے ہیں کہ ساغر سے الگ

رات بھر رہتی ہے کھڑ بڑ ٹوٹتی ہیں رسیاں
اے چناں وہ کو بندھاتے نہیں ہم سے الگ

تیری آمد میں کچھ ایسی ہوئی ہلچل قاتل
گر گئی بھاگنے میں جیب سے مخمل قاتل

سنتے ہیں بال کو کم کاٹتی ہے تیغ اصیل
اس سے ہم پھرتے ہیں اوڑھے ہوئے کمل قاتل

تھک گئے ہیں لیٹتے ہیں یار ہم
کب سے بیٹھے ہیں پس دیوار ہم

قتل کا جو خوف تھا جاتا رہا
کل چرا لائے تری تلوار ہم

رکھ کے کیتے ہیں ہتھیلی پر مٹر
بیچتے ہیں یہ دُرِ شہوار ہم

رات کاٹی چکوے چکوی کی طرح
وہ رہے اس پار اور اُس پار ہم

قصر دل کی کچھ مرمت کا ہے قصد
مول لینے جاتے ہیں تلوار ہم

پھر انھیں نزلہ ہوا اس سال میں
ناک پھر بہنے لگی رومال میں

ہے اگر فرہاد کو شیریں کا عشق
ڈال دے شکر چنے کی دال میں

پوریاں پکیں اڑے جام شراب
چلکے جھولا ڈالئے کچنال میں

دانت جب ٹوٹے تو پھر پاپڑ کہاں | کھائیے روٹی بھگو کر دال میں
چھپ کے آتا ہے رقیب رو سیاہ | کچھ نہ کچھ ہے آج کالا دال میں
آج یوں وعدہ ہوا ہے وصل کا | رات کو آنا مری سسرال میں
ہے یہ اے فرہاد شیریں کا پتہ | چیونٹیاں لپٹی ہوئی ہیں کھال میں
اب چنی بیگم جواں ہیں اے چناں | اپنی شادی سمجھئے اس سال میں
اسقدر بالو سے رگڑا تن بدن | سر سے پا تک ہو گئے ہم آئینہ
شکل حوّا سی نظر آنے لگی | کیوں لگایا قد آدم آئینہ
یہ مجنوں پوچھتا تھا ساربان سے | میاں یہ اونٹ تم لائے کہاں سے
یہ بلبل کہہ رہی ہے باغباں سے | کہ اب گرتے ہیں انڈے آشیاں سے
ثنا کنگھی کی تیری گر کروں میں | جوئیں جھڑنے لگیں لاکھوں زباں سے
طلوع مہر پر کہتا تھا یہ قیس | مری لیلٰے نے جھانکا آسماں سے
تہ و بالا ہوئے جب تو کھلا حال | زمیں چت ہو گئی ہے آسماں سے
ہے اُس کے در پہ سب بانکوں کا مجمع | چلے گی آج لاٹھی پاسباں سے
شب فرقت سے کہیں روز وصال اچھا ہے | سچ ہے یہ ماش کی روٹی سے سہال اچھا ہے
جسکے چبھنے سے لہو بند ہوا اے صیاد | تیرے نشتر سے مری مونچھ کا بال اچھا ہے
جان عشاق کی لیتی ہے تپ صفراوی | نزع کے وقت تو آلو کا زلال اچھا ہے
اے چناں وہ ابھی سن لیں تو نکالیں آنکھیں | گر کہوں آپ کی بکری سے غزال اچھا ہے
وہ ساتھ غیر کے مل مل کے گائے جاتے ہیں | میاں چناں ہیں کہ ڈھولک بجائے جاتے ہیں

چونچ کوئی ظریف شوخ مزاج بدایوں کے رہنے والے ہیں جنکی ایک غزل رسالہ اقتباس میں ملی جس سے چند شعر انتخاب کر کے لکھتا ہوں۔ زیادہ حالات باوجود کاوش

مل نہ سکے مجبوری ہے۔

ہوتا ہے دھول دھپّہ پنڈت میں مولوی میں
اور بی جمال خانم اترا رہی ہیں جی میں

کیا کیا کیا نہ میں نے اے یار تیری خاطر
چاول پکائے جا کر مرگھٹ پہ کھوپری میں

تم قتل عاشقاں سے پہلے یہ سوچ لینا
الو نہ بول جائے دُنیائے عاشقی میں

خوش قسمتوں کو شاید کوئی جگہ ملی ہو
میری تو عمر گذری لبس نو ویکنسی میں

سرکار عشق میں بھی ہونے کو ہے رڈکشن
اب ہر ہوس کا بندہ آجائے گا کمی میں

صد انقلاب در پر آتی ہے مغربیت
تہذیب نو کے حامی خوش ہو رہے ہیں جی میں

وہ دن بھی آگیا ہے نزدیک اب کہ جسدن
دلہن فٹن پہ ہوں گی نوشاہ پالکی میں

اللہ کا کرم ہے اسے چوچخ تجھپہ ورنہ
یہ لاجواب باتیں اتنی سی کھوپری میں

چرخوش سیّد اقبال حسین نام ہے نیوتنی ضلع اُناؤ کے رہنے والے ہیں۔ قریب قریب تیس برس کی عمر ہو گی۔ مگر آپ کی شاعری کی عمر بہت کم ہے۔ میرے ملاقاتی ہیں دو چار مرتبہ کے اصرار پر آپنے تھوڑا سا کلام عنایت کیا۔ کلام سے پتہ چلتا ہے کہ اگر مشق سخنگوی جاری رہے تو آپ بہت جلد اچھا کہنے لگیں۔ مگر افسوس کہ بہت کم فرماتے ہیں اکثر اب بھی جو کچھ فرماتے ہیں وہ مطبوع طبع ہوتا ہے۔

وہ مزا کب رات بھر بستر پہ چلانے میں ہے
شام ہی سے جو در دلبر پہ سو جانے میں ہے

چاند نکلا عید کا اک دھوم رندوں میں مچی
کوئی میخانے کی چھت پر کوئی میخانے میں ہے

کی وصیت ایک آتشباز نے اولاد سے
زندگی کا کچھ مزا جل جل کے مر جانے میں ہے

نیند اڑاتا ہے دل نالاں تو کر دو سینہ چاک
یہ اذاں دیتا ہوا مرغا اسی خانے میں ہے

اُسکی رسی کا۔ درازی جسکی ہے ضرب المثل
اک سرا دوزخ کے اندر اک سرا تھانے میں ہے

مرد مادہ رو بنے عورت بنی ہے نر نما
فرق اب باقی زنانے میں نہ مردانے میں ہے

مادرِ قیس نے لیلےٰ سے کہا سُن بیٹی ساتھ اپنے مرے بھلڑ کو نہ حیراں کرنا
نائیو تمکو مبارک ہو یہ خدمت یعنی ہر مسلمان کے بچہ کو مسلماں کرنا
لیلےٰ خوش خوش تو چلے ہو مرا آئینۂ دل کام بندر کا نہ اے حضرتِ انساں کرنا
ہو مبارک بچھے اے عشق کے پکچر پلیس قیس کو عشق کے پردے پہ نمایاں کرنا
کی ہیں اُس شوخ نے جیلر سے خفیہ باتیں اس چہ خوش کو بھی ذرا داخلِ زنداں کرنا

ایروپلین عشق کا جب لے اڑا اب مجھے اک تل دیا رحسن دکھائی دیا اب مجھے
ہے صاحبانِ عشق کو لازم فسردگی مَنی سی ایک مس سے ہوئی عشقیا ب مجھے
مجنوں کبھی ہوں اور کبھی کوہکن ہوں میں اس عشق نے بنا دیا بہروپیا مجھے
کہتی ہے شمع جل مرے پروانے آپ ہی انبر خدا کی مار لگی ہتھیا مجھے
ظالم نے میرے رونے پہ ہو ہو کے بدحواس کچھ ایسا منھ بنایا کہ ہنسنا پڑا مجھے
بیت قہقہے ہیں کیوں مرے اشعار پر چہ خوش سمجھے ہیں آپ لوگ کوئی مسخرا ب مجھے

یہ سوچ کے دشت میں اچکنے لگا مجنوں لیلےٰ کا مکاں نجد سے کچھ دور نہیں ہے
جو فیض جسے حکمتِ قدرت سے پہونچ جائے منصور کا پر دادا بھی منصور نہیں ہے
بولی یہ مس ہندی مخلوط بصد ناز ہم حور کا بچہ ہے مگر حور نہیں ہے
در آئینگے اک روز مری آہ کے گولے کچھ قلعۂ دل تیرا بھرت پور نہیں ہے
ٹھڈی سے چلی جاتی ہے بکٹ ٹھو کے تا ناف دُم نور کے گھوڑے کی ہے گو نور نہیں ہے
ایجان مجھے ذبح نہ گھر پر مرے کرنا تھانہ مرے دروازہ سے کچھ دور نہیں ہے
ہر عشق بھی فیشن بھی جوانی بھی مرے پاس پھر کیوں مرا وصل آپ کو منظور نہیں ہے

حرف حاء حطی

حالی - خواجہ الطاف حسین نام - حالی تخلص - آپ کے والد خواجہ ایزد بخش صاحب کا سلسلہ نسب حضرت عبداللہ انصاریؓ تک پہونچتا ہے - آپ پانی پت کے رہنے والے تھے جب مولانا حالی کی عمر نو سال کی تھی اسیوقت ان کا انتقال ہوگیا تھا اور اس کے بعد اُن کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہوا - جس کے کامل ہونے پر مولانا حالی ملک کے اُن مشہور اہل قلم میں شمار ہوئے جن کو زمانہ کبھی بھلا نہیں سکتا - آپ کے مفصل حالات جا بجا ملتے ہیں اس لیے ہم یہاں نہ آپ کی سوانح حیات سے بحث کریں گے اور نہ آپ کی حکیمانہ شاعری سے بحث کرنا مقصود ہے - بلکہ ہم اس تعجب کو دفع کرنا چاہتے ہیں جو ظرفا کے تذکرہ میں مولانا حالی کا نام دیکھکر اہل نظر کو ہوگا اصل میں متعجب نگاہیں اس راز سے آگاہ نہیں ہیں کہ مولانا حالی وہ ادیب یا وہ شاعر تھے جن کا مرتبہ تمام اصناف سخن میں یکساں ہے - جس طرح وہ متین شاعری کے اُستاد کامل ہیں جس طرح انھوں نے ملک کو ایک شاہراہ ادب پر لگا دیا - جس طرح ان کی خداداد قابلیت نے ایک اختراع کرکے شعر گوئی میں جدید طرز پیدا کیا - اسی طرح انھوں نے ظرافت میں کمال دکھایا - مگر ظرافت کو پھکڑ پن یا ہزل گوئی - یا فواحشات کی حد تک نہیں جانے دیا - بلکہ بدیہہ گوئی اور بذلہ سنجی تک محدود رکھا - حکیمانہ ظرافت کی تصویر کھینچکر دکھا دی اور اس متانت کی وہ صورت بنا دی جس پر سے ہزاروں شوخیاں قربان کیجا سکتی ہیں - جہانتک غور کیا جائے مزاح اور خوشدلی کے پیکر مجسم کی بے تعداد تصویریں نظر کے سامنے پھر جاتی ہیں - اور ظرافت سے حقیقی مقصود ظرافت حاصل ہوتا ہے - بعض جگہ عبرت کو اس انداز سے ظرافت کا ہمدوش

گیا ہے کہ دیکھنے والا اتنا متاثر ہوتا ہے کہ اُس کے آنسو بھی ساتھ ہی نکل آتے ہیں بقول کسے

شادی جو ہوئی غم کے پہلو نکل آئے | جب کوئی ہنسا ساتھ ہی آنسو نکل آئے

وہ لوگ کثرت سے ملینگے جن کے یہاں صرف الفاظ کے رنگ و روغن سے ظرافت کے مجسمہ کو چمکایا جاتا ہے اور اس کے ماحصل سے سخت غفلت کیجاتی ہے - مولانا حالی کے یہاں وہ قالب بیجان اور مجسمہ بے روح نہیں ہیں - اُن کی ظرافت کو گدگدیاں کہئے یا چٹکیاں - دل و دماغ اُس سے مسرور ہو جاتا ہے - اور روح کیف نشاط سے مخمور - مگر ظاہری متانت کبھی جانے نہیں پاتی - میں نمونہ کے لئے چند شعر لکھتا ہوں -

ہوئی ریحانِ جوانی کی بہار آخر حیف | طبع رنگیں تھی مئے عشق کی جب متوالی
اپنی روداد بھی جو عشق کا کرتے تھے بیاں | جو غزل لکھتے تھے ہوتی تھی سراسر حالی
اب کہ الفت ہے نہ چاہت نہ جوانی نہ امنگ | سر ہے سودا سے تہی عشق سے دل ہے خالی
گر غزل لکھئے تو کیا لکھئے غزل میں آخر | نہ ہی چیز وہ مضمون سجھانے والی
ہاں مگر کیجئے کچھ عشق کا غیروں کے بیاں | لائیے باغ سے اوروں کے لگا کر ڈالی
کھینچئے وصل صنم کی کبھی فرضی تصویر | کیجئے درد جدائی کی کبھی نقالی
پر یہ ڈر ہے کہیں اپنی بھی وہی ہو نہ مثل | قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی

کہتے ہیں ایک امیرزادے کو | تھا خدنگ افگنی کا شوق کہیں
خصلتیں جو امیرزادوں میں | لازمی ہیں وہ اس میں بھی سب تھیں
واہ وا سنتے سنتے یاروں کی | ہو گیا تھا ہنر کا اپنے یقیں
الغرض ایک روز صحرا میں | جبکہ تھے ساتھ سب جلیس و قریں
مشق تیر افگنی میں تھا مصروف | کر رہے تھے خوشامدی تحسیں
آ کے دیکھا جو اک ظریف نے حال | وجہ تحسیں ہوئی نہ ذہن نشیں

جا کے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا   تیر آتا جگہ کے کوئی قریں
کچھ جو شوخی ظریف کو سوجھی   رکھ کے بالائے طاق سب تمکیں
خاک تودہ پہ ہو کے جا بیٹھا   لوگ کرتے رہے چنان و چنیں
ناوک انداز بولا چلا کر   کوئی تجھکو جنون ہے اے مسکیں
عرض کی چارہ کیا ہے اسکے سوا   جبکہ جائے گریز ہو نہ کہیں
زد سے ان بے پناہ تیروں کی   کہیں جاں دار کو اماں نہیں
مجھکو ہر پھر کے شش جہت میں حضور   امن کی اک جگہ ملی ہے یہیں

اہل حل و عقد ہیں اب متفق اس رائے پر   سید احمد خاں کو کافر جاننا اسلام ہے

سید احمد خاں کے اک منکر نے یہ پوچھا کہ آپ   کس لئے سید سے صاف اے حضرت الا نہیں
آپ بھی نام خدا ہیں تارک صوم و صلوٰۃ   اور سلوک اسلام سے خود آپ کا اچھا نہیں
چشم بد دور آپ کا بھی ہے کہیں مشرب وسیع   پھر یہ سید پر تبرا آپ کو زیبا نہیں
سنکے فرمایا اگر ہو پوچھتے انصاف سے   بات یہ ہے سن لو صاحب تم سے کچھ پردا نہیں
رنج کچھ اسکا نہیں مجھکو کہ وہ ایسا ہی کیوں   بلکہ ساری کوفت اسکی ہے کہ میں ویسا نہیں

عادت تھی اک فقیر کی کرتا تھا جب سوال   انگریز کے سوا نہ کسی سے تھا مانگتا
مدت تک اسکی جب یہی دیکھی گئی روش   پوچھا کسی نے اس سے کہ اسکا سبب ہے کیا
بولا کہ عادت اس لئے کی ہے یہ اختیار   چھٹ جائے تا کہ مجھسے یہ لپکا سوال کا
پہلے جو تھا گو انوں سے ملتی تھی روز بھیک   آتا تھا مانگنے میں بہت بھیک کے مزا
پر جب سے ہے سوال کا اس قوم پہ مدار   منت سے عجز سے کبھی ملتا نہیں ٹکا

ایک مسرف نے یہ ممسک سے کہا — کب تلک اے ناداں یہ حب مال و زر
تو جو یوں رکھتا ہے دولت جوڑ جوڑ — ہے سدا دنیا ہی میں رہنا مگر
ہنس کے ممسک نے کہا اے سادہ لوح — زر لٹانا رائیگاں اور اس قدر
آج ہی گویا نصیبِ دشمناں — آپ کا دنیا سے ہے عزم سفر

فقیہ شہر نے ایماں کی جو کی تعریف — تو دی چراغ سے اُسکو یہ آب تاب مثال
کہا فتیلۂ اقرار باللساں ہے ضرور — جہاں ہو آتش تصدیق و روغن اعمال
کہا کسی نے کہ نکلا ہے اندنوں اک تیل — نہیں ضرور فتیلہ کا جسمیں استعمال

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ ہیں جنہیں ملاپ — دولت و بخت ہے ہر حال میں اُنکے ہمراہ
نہ انھیں حاجتِ اعوان نہ تلاشِ انصار — نہ انھیں خوف بد اندیش نہ بیم بدخواہ
پر نہیں رابطہ جب قوم میں اور یکجہتی — اُسکی دنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزت و جاہ
نہ ملاذ اُن کے لیئے قلعہ نہ خندق نہ فصیل — نہ مفید اُن کے لیئے فوج نہ لشکر نہ سپاہ
ایک ملا نے سنا جب یہ سخن فرمایا — تکیہ اور اسقدر اسباب پہ کرنا ہی گناہ
اتفاق اور نفاق اصل میں کچھ چیز نہیں — دست قدرت کے ہی سب ہاتھ سفید اور سیاہ
واں نہ ملت کی ضرورت ہے نہ کچھ قوم کا ڈر — پڑ گئی فضل کی مولا کے جہاں ایک نگاہ
کہا آزاد نے سچ ہی کہ وہ دے ساتھ اگر — کر دیں افرادِ پراگندہ جماعت کو تباہ
پر مجھے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم — اسکو جب دیکھا ہی دیکھا ہی جتھوں کے ہمراہ

ہاروں نے کہا مصر لگا ہاتھ جب اُسکے — فرعون کا تھا مصر ہی نے مغز چلایا
وہ خطۂ ملعون تھا یہی جسکی بدولت — تھا دل میں خدائی کا خیال اُسکے سمایا

میں بھی اُسے اک باغی طاغی کے علی الرغم ۔۔۔ اک بندۂ بیقدر کو بخشوں گا خدایا

کہتے ہیں خضیب ایک غلام حبشی تھا ۔۔۔ جسپر نہ پڑا تھا خرد و ہوش کا سایا

کی سلطنت مصر کی باگ اُسکے حوالے ۔۔۔ نااہل کے پنجہ میں اہالی کو پھنسایا

باڑی[1] گئی یہ ایک برس نیل کی رَو میں ۔۔۔ یہ حادثہ آ اُسکو کسانوں نے سنایا

فرمایا کہ روئی کی جگہ بوتے اگر اُون ۔۔۔ ہوتا نہ یہ نقصان کہ جو تم نے اٹھایا

اثنائے وعظ میں ہے تکیہ کلام واعظ ۔۔۔ قدر قلیل ہے سب مال و منال دنیا

گویا کہ حرص اُسکی اس سے بھی نہیں ہے ۔۔۔ ہے جسقدر فراہم پاس اُسکے مال دنیا

خوشامد کرتے ہیں آآکے جو لوگ ۔۔۔ تمھاری ہر دم اے ارباب دولت

خوشامد پر نہ اُن کی پھولنا تم ۔۔۔ وہ گویا تمکو کرتے ہیں ملامت

کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک ۔۔۔ نہیں انمیں سے تم میں ایک خصلت

پوچھا کسی دانا سے سبب کیا ہے کہ اکثر ۔۔۔ مردوں کی حکومت میں ہے ملکوں کی بری گت

لیکن بخلاف اسکے ہے عورت کا جہاں راج ۔۔۔ وہاں ملک ہے سرسبز اور آباد رعیت

فرمایا کہ ہوتے ہیں جہاں مرد جہاندار ۔۔۔ قبضہ میں ہے وہاں عورتوں کے دولت و کنت

اور سر پہ ہے عورت کے جہاں افسر شاہی ۔۔۔ سمجھو کہ ہے اُس ملک میں مردوں کی حکومت

بشر کے صدمے سے ہوتا ہے ہر بشر کو ملال ۔۔۔ کہ ایک جڑ کی ہیں سب ٹہنیاں صغار و کبار

---

[1] دلّی کے نواح میں باڑی خصوصاً کپاس کے کھیت کو کہتے ہیں ۱۲

یہ صدمہ گر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے — تو اور بھی اُسے دیتا ہے انفعال و فشار
یہی سبب ہے کہ ہوتے نہیں طبیب ملول — جو چل بسے کوئی اِن کے علاج میں بیمار
وہ جانتے ہیں کہ تھپ جائیگی خطا ہمپیر — کیا ملال کا اپنے گر اس جگہ اظہار

رُباعی

زاہد کہتا تھا جاں ہے دیں پر قرباں — پر آیا جب امتحاں کی زد پر ایماں
کی عرض کسی نے کہئے اب کیا ہے صلاح — فرمایا کہ بھائی جان جی ہے تو جہاں

ایضاً

ہے عشق طبیب دل کے بیماروں کا — یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے پر اتنی ہے خبر — اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا

پوچھا جو کل انجام ترقی بشر — یاروں سے کہا پیر مغاں نے ہنسکر
باقی نہ رہے گا کوئی انساں میں عیب — ہو جائیں گے چل چھلاکے سب عیب ہنر

اک منعم مسرف نے یہ عابد سے کہا — کر میرے لئے حق سے فراغت کی دُعا
عابد نے کہا یہ ہاتھ اٹھا کر سوے چرخ — محتاج کر اسکو جلد اے بارِ خدا

جب تک کہ نہ ہو دشمن اخواں پکّا — ہوتا نہیں مومن کا اب ایماں پکّا
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے — سنتے ہیں کسی کو جب مسلماں پکا

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم | سمجھو کہ وہاں ہی کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مشیر دولت | یا ہے کوئی مولوی وزیر اعظم

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب و گناہ | کافر کہا واعظ نے انھیں اور گمراہ
جھوٹے کو نہیں ملتی شہادت جسوقت | لاتا ہے خدا کو اپنے دعوے پہ گواہ

کہنا فقہا کا مومنوں کو بے دیں | سنتے سنتے یہ ہو گیا ہمکو یقیں
مومن سے ضرور ہوگا مرقد میں سوال | تکفیر بھی کی تھی فقہا نے کہ نہیں

واعظ نے کہا کہ وقت سب جاتے ہیں ٹل | اک وقت سے اپنے نہیں ٹلتی تو اجل
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اٹھکر کہ حضور | ہے ٹیکس کا وقت بھی اسیطرح اٹل

حجام ایک نائی عنایت اللہ نامی کا تخلص تھا۔ جس کا اصلی وطن سہارنپور تھا۔ مگر آب و دانہ کی کشش اور اپنے پیشہ کے چمکانے کی ضرورت سے دلی میں قیام رہتا تھا۔ اور یہاں کی خاک پاک سے وہ انس تھا کہ عمر بھر یہیں رہے۔ طبیعت میں شعر سے قدرتی لگاؤ تھا مرزا رفیع سودا سے اصلاح لیتے تھے اور اُسوقت کے تمام مشاعروں میں شریک ہوتے تھے وہ زمانہ کچھ آجکل کا سا نہ تھا کہ لوگ اُس کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے سے عار کرتے۔ بلکہ وہ لوگ فن کے قدر دان تھے۔ چونکہ یہ ایک خوشگو خوش مذاق شخص تھا۔ اسی لئے بڑے بڑے شرفا بھی اپنے مشاعروں میں بلاتے تھے۔ بعض شعروں میں ظرافت کے طریق پر اپنے پیشہ کا ذکر کرتا لوگ آفرین کرتے اور جی کھول کر داد دیتے۔ مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ کی داڑھی میں جمعہ اور منگل کو خطاب لگایا کرتا تھا۔ اور مولانا ہی سے بیعت رکھتا تھا۔ مولانا نے تبرکاً ایک پوشاک

اور دستار دیدی تھی یہ فخریہ اُسکو پہنتا تھا۔ اور ہمیشہ اپنے دامن حال اور وضع قطع کو روشش درویشانہ سے مزین رکھتا تھا۔ اسی بنا پر اہل محلہ اسکو شاہ جی کہا کرتے تھے۔ تمام تذکرہ نویس اس کی خوشگوئی کے مقر ہیں۔ چنانچہ مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ اچھا شعر کہتا تو اس کے خیال بال سے زیادہ باریک ہوتے تھے۔ مسٹر ایف فیلن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ۱۷۹۳ء میں اسکی عمر ۳۵ برس کی تھی۔ اشعار ظریفانہ کا انتخاب یہ ہے۔

روز رخسار کے لیتا ہوں مزے خوباں کے ۔۔۔ بہتر اس شغل سے حجام ہنر کیا ہوگا

کیوں مجھکو ستاتی ہے تو اے گردش گردوں ۔۔۔ میں نائی کا بیٹا ہوں کہیں سر نہ رگڑ دوں

آجکل کے خوبرو دیکھے تو ہیں یہ سکھ بچے ۔۔۔ ان تلک حجام ہی پہنچے نہ یہ حجام تک

خط آئینے بھی اپنی رسائی نہیں وہاں ۔۔۔ حجام کس طرح سے ملیں کیا ہنر کریں

رقیبوں پر میاں پڑتا ہے تب سو گھڑے پانی ۔۔۔ بلا حجام کو جس روز تم حمام کرتے ہو

اُس شوخ کے کوچے میں نجایا کر حجام ۔۔۔ چھن جائینگے اک روز یہ اوزار تمھارے

کل میاں حجام سب کا موڈتے پھرتے تھے سر ۔۔۔ آج اس کوچہ میں اُن کی بھی حجامت ہو گئی

لگ چلئے جو اس شوخ سے رستہ میں تو وائے ۔۔۔ جھنجھلا کے یہ کہتا ہے کہ چل دور رزالے

حجام کسی دلی کے رہنے والے حجام کا تخلص تھا جو غازی الدین خاں کے مدرسہ کے متصل رہتا تھا۔ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں اسکا ذکر کیا ہے لیکن نام نہیں لکھا۔ اور خیال ظاہر کیا ہے کہ غالباً کسی سے اصلاح نہیں لیتا ایک شعر نمونتاً لکھا ہے۔

کام کیا نذر یہ حجام نے ۔۔۔ شیخ کی داڑھی کو قصر کر گیا

حرق۔ میر حسن مرزا نام میر اشرف علی مرحوم رئیس ڈھاکہ کے نواسے اور میر علی آشنا

اور غلام حیدر مجیب کے شاگرد تھے ۱۸۷۸ء میں نساخ کے تذکرہ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت زندہ و بخیریت تھے شعروں میں ظریفانہ رنگ بھی شامل رہتا تھا۔ نمونہ کلام

بھٹی محرم دکھا کر اپنی وہ محرم سے یہ بولے ۔۔۔ کسی عیار نامحرم کی یہ چالاک دستی ہے
تمھیں صورت کا غرہ ہی تو یاں دل کی محبت ہے ۔۔۔ تمھارا حسن مہنگا ہو تو کسکی جان سستی ہے
ایک بندہ کی بھی جان بخشی نہ کی ۔۔۔ اے بتو تمسے خدائی ہو چکی

حریف لالہ شیام لال سائیکل میکر ساکن لکھنؤ کا تخلص۔ جو دور موجودہ کے ایک ظریف شاعر ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔

تیرے عاشق جتنے تھے اُن کا جدا انداز تھا ۔۔۔ کوئی دھوتی باندھتا تھا کوئی سنتھے باز تھا
دیتا جاتے دیتا جا لیلی کے کُتے کا کفن ۔۔۔ چھیڑتے تھے لونڈے مجنوں قوم کا بزاز تھا
سیکڑوں دیتا تھا تاوے قیس سے پر بند کو ۔۔۔ ناقہ لیلے بھی اک کھوسٹ کبوتر باز تھا

بار ہے وصل کی شب آپ کا تن توش مجھے ۔۔۔ ہٹیئے ہٹیئے کہیں اب کیجیے سبکدوش مجھے
آیا نخاس تو بولا مرا کمسن دلبر ۔۔۔ اچھا اچھا کوئی لے دیجئے خرگوش مجھے
گالیاں سنکے جو میں ٹال دیا کرتا ہوں ۔۔۔ اپنے دل میں وہ سمجھتے ہیں گراں گوش مجھے
ڈر گیا دیکھ کے میں اُسکی بھیانک صورت ۔۔۔ جب سے بیہوش ہوں آتا ہی نہیں ہوش مجھے
اُن کے ہشیار بھی کرنیکا نرالا ہے چلن ۔۔۔ کاٹ کھاتے ہیں وہ پاتے ہیں جو بیہوش مجھے
رو کے کہتے ہیں کہ عید آگئی اب سر پہ حریف ۔۔۔ آپ لا دیجئے زربفت کی پاپوش مجھے

حزیں۔ ایک ریختی گو کا تخلص ہے جن کے انداز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سے تیس چالیس برس اودھر کے شاعر ہیں۔ ریختی میں وہ لطف نہیں ہیں۔ جو اِن کے معاصرین

رنگین یا جان صاحب کے یہاں ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

پہنا گلے میں تمنے جو پھولوں کا ہار ہے ۔ سمدھن تمھارے حسن پہ کیا ہی بہار ہے

ہوتی ہے ڈیڑھی گرگروں سیدھی طرح سے بات ۔ گھوڑے پہ آج باد کے سمدھن سوار ہے

سمدھی بتاؤ تمکو یہ کیسی ہے بے کلی ۔ آرام تمکو اور نہ اک دم قرار ہے

سو کھا ہی اس نے یار اُتارا رقیب کو ۔ سمدھن ہماری خوب سلیقہ شعار ہے

سمدھن حزیں سے تم نہ لگاوٹ کرو ذرا ۔ لائق تمھارے منھ کے کڑیڑا کھار ہے

حکیم مولوی محمد سمیع ارادت اللہ خاں نام ہے آپ انصاری ہیں اور لکھنؤ کے مشہور خاندان علماء فرنگی محل سے ہیں۔ قابلیت عربی و فارسی نہایت اچھی ہے۔ نیک طینت ملنسار خوش خلق ہیں۔ دونوں رنگوں میں شعر کہتے ہیں۔ مگر رنگ ظریفانہ طبیعت پر زیادہ غالب ہے اور اس میں اپنی جودت طبع ہمیشہ دکھاتے رہتے ہیں۔ اگرچہ راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ مستقلاً کس سے اصلاح سخن میں استفادہ کرتے ہیں۔ ایک دو مرتبہ میں نے خود دیکھا کہ حضرت ظریف کو غزل روا روی میں سرمشاعرہ دکھائی۔ آپ کے کلام میں شوخی بھی ہے اور شوخی کے ساتھ ایک خاص قسم کی متانت بھی پائی جاتی ہے۔ اسوقت آپ کی عمر تخمیناً ستائیس اٹھائیس برس کی ہوگی۔ اگر یونہی مشق سخن جاری رہی تو مستقبل نہایت کامیاب ہوگا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

انوکھا آپ کا انداز اے اللہ میاں نکلا ۔ نشاں بھی بے نشاں نکلا مکاں بھی لامکاں نکلا

دفعہ چونتیس میں چالان ہوا خوب پٹے ۔ بہکے ہم تم جو چلے جھوٹے میخانے سے

لائسنس کیسے چلاؤں گا میں تجھپر ساقی ۔ مے پلائی مجھے ٹوٹے ہوئے پیمانے سے

رہ گئے دست جفا روکے ورنہ اکدن ۔ ٹمردن ٹوں پھرے گا عشاق کے مرجانے سے

قبل از سوال میں نے نکیرین سے کہا — بے پوچھے آپ کیوں چلے آئے مزار میں
مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن — کچھ اور ہو گئیں تری آنکھیں خمار میں

مار ڈنڈوں بھوڑ دیتا عشق کے اظہار پر — شکر کر مجنوں کہ لیلیٰ کا کوئی بھائی نہ تھا
ماشاءاللہ سیکڑوں کھٹمل بھی تھے مچھر بھی تھے — کیوں کہوں کوئی شریک شام تنہائی نہ تھا

قید میں صیاد و گلچیں نے ستانے کیلئے — باغ میں ٹولٹ لگایا آشیانے کیلئے
TOLET

وسوسہ کیوں نہو پیدا دل شیدائی میں — ختم ہے تیل چراغ شب تنہائی میں

دیکھ لیتا ہے جو ہاتھوں میں لئے دل مجھکو — پھاڑ کھاتا ہے سگ کوچۂ قاتل مجھکو
قیس کہتا تھا نہ ہر روز لنگوٹی باندھوں — ہاتھ آجائے اگر پردۂ محمل مجھکو

اگر چڑھی ہے سر پہ جو بھتنی شباب کی — وہ جھومتا ہے زلف پریشاں کئے ہوئے
واﷲ استغفار بھی اب احمق نہیں ہیں ہم — بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

یہ عذر کیا اُسنے اور جانے کی ٹھہرائی — دو آدمی اور انہیں اک ننھی سی چرپائی
پہلے سر زانو پہ اک زور سے چپکائی — دیکھا جو اُدھر اُس نے بندہ ہوا مجرائی

جو ملجاتی ہمیں کچھ روز کو واجد علیشاہی — تو ہم بھی اک مہینہ میں کئی سو بیبیاں کرتے

ہوتی ہے دشت نجد میں ہر روز دھرینگ — مجنوں کی خاک اور ہمارے غبار سے

چراغ میرے لحد کے بجھائے جاتے ہیں — عدو کی بزم میں ہنڈے جلائے جاتے ہیں

پاؤں کی ٹوٹی ہوئی انگلی دکھاتی ہو عبث — اور بجا گو صورت بیمار ہجراں دیکھکر
دندناکر گھس گیا میں محفل دلدار میں — منھ جونہی پھیرا مجھے دربان نے عریاں دیکھکر
ٹھینگا دکھلانا کسی کا بچپنے میں ہائے حکیم — یاد آتا ہے مجھے خار مغیلاں دیکھکر

حرفِ خا

خضر سبزواری ایک تنومند قوی ہیکل اور پہلوان تھا۔ جو فسق و فجور میں اپنی زندگی گزارتا تھا۔ شعر بھی کہتا تھا مگر دہی او باشانہ رنگ مد نظر رہتا تھا۔ شراب نوشی کی وجہ سے ہر وقت مخمور و مسرور و مدہوش رہتا تھا۔ غرضکہ اِن کے تخلص کو دیکھتے ہوئے یہ مثل پورے طریق سے اسپر صادق آتی ہے ع برعکس نہند نام زنگی کافور

عورتوں کی صحبت اور صورت سے نہایت متنفر اور امارد کی طرف راغب تھا۔ یہ دو شعر نمونتاً پیش ہیں۔

زنہار بزن اگر زرے ہست مدہ   زر جز بجوان رند سرمست مدہ

موے سر زلف امرد از کف مگذار   سر رشتۂ دولت است از دست مدہ

خلیفہ۔ رجبی حجام کا تخلص تھا جو دلی کا رہنے والا تھا۔ راگ وغیرہ کا بڑا شوقین رنگیں مزاج بذلہ سنج خوش طبع ظریف تھا۔ پھکڑ اور ضلع جگت میں طاق تھا۔ تذکرہ گلستانِ سخن کی ترتیب سے پہلے مر چکا تھا۔ ایک مرتبہ کسی پہلوان کی ہجو میں کچھ شعر کہے تھے اونھیں میں کا ایک یہ شعر ہے۔

اودمدہا پڑے ہے نیچے سدا ہر جوان کے   تا لوگ یہ کہیں کہ کبھی چت نہیں ہوا

خلیق۔ دلی کے رہنے والے ہیں۔ استعداد علمی معمولی ہے۔ مگر شعر و شاعری کا شوق معمول سے کچھ زیادہ ہے منشی چندر بھان کیفی۔ اور سائل دہلوی کے شاگرد ہیں

کبھی کبھی مضامین ظریفانہ بھی نظم کرتے ہیں۔ راقم نے ایک مرتبہ دلی کے ایک مشاعرہ میں دیکھا تھا۔ اب تخمیناً چالیس برس کی عمر ہوگی۔ ایک نظم (ہمارا فیشن) سے کچھ بند نقل کئے جاتے ہیں

زمانے کے عجب بدلی ہے رنگت　　کہ کالے بن گئے گوروں کی صورت
بڑھی نکٹائی اور کالر کی زینت　　نہ وہ پہلی سی خصلت ہے نہ عادت
اُڑے پھرتے ہیں انگریزی ہوا میں
کسے روکیں کسے فیشن سے تھامیں

مگر ہر شخص اپنی جون میں ہے　　ہوا میں بھر رہا ہے دوان میں ہے
نئی تانتی کی گرمی خون میں ہے　　اکڑ فوں کوٹ میں پتلون میں ہے
پُرانوں کی وہی چالیں پُرانی
سروں پر ٹوپیاں ہیں کامدانی

نیو فیشن کی ایسی چڑھ بنی ہے　　سٹک ہاتھوں میں پاکٹ میں گھڑی ہے
سخی کا لال قسمت کا دھنی ہے　　وہی کرتا ہے جو دل میں ٹھنی ہے
کوئی کتنا ہی پیٹے غل مچائے
مثل ہے ایک چپ سو کو ہرائے

زمیں پر پاؤں بھی دھرتے نہیں ہیں　　کسی کے باپ سے ڈرتے نہیں ہیں
بزرگوں کا ادب کرتے نہیں ہیں　　پُرانی چال پر مرتے نہیں ہیں
تکلف میں ہیں تکلیفیں سراسر
ڈٹے ہیں باپ دادا کے برابر

کسی لیڈی سے گرمائے ہوئے ہیں　　پری کے سایہ میں آئے ہوئے ہیں
اڑے پھرتے ہیں اترائے ہوئے ہیں　　محبت کی قسم کھائے ہوئے ہیں
نہیں منظور دم بھر کی جدائی

پکڑلی لال بی بی کی کلائی

بدل کر روپ مس روزی بنایا　　بڑے دن کو کلب گھر میں نچایا
بغل میں ہاتھ دے دے کر اٹھایا　　سمندِ ناز پہ کوڑا لگایا

پیمبر غلو ہوئے ہیں سادگی پر
نہ بالے ہیں نہ پتے ہیں نہ جھومر

نہ غمزہ ہے نہ شوخی ہے نہ چھل بل　　نہ مسی ہے نہ سرمہ ہے نہ کاجل
دوپٹہ کا جھمیلا ہے نہ آنچل　　نہ چوڑی پاؤں میں پہنی نہ چھاگل

نہ پتے کان کے اندر نہ بالی
نہ پانوں کی لب رنگیں پہ لالی

بھبھوکا حسن گدرایا ہوا ہو　　جو نینی تال سے آیا ہوا ہو
بدن چربی سے چکنایا ہوا ہو　　برانڈی کا نشا چھایا ہوا ہو

کمر میں ناز سے پیٹی کسی ہو
نئی پوشاک پھولوں میں بسی ہو

کسی کی نوجوانی کا ہو جوبن　　کمر پتلی صراحی دار گردن
کرے اٹکھیلیوں سے سیر گلشن　　گلے میں ہاتھ ہو ہاتھوں میں دامن

دکھائے کھیل ٹینس کے نرالے
کھلے میدان میں گیندیں اچھالے

برابر بیٹھ کر جائے فٹن میں　　کسی لیڈی سے ملنے کو مشن میں
تکلف سے نہ شرمائے ٹفن میں　　کہ ہپ ہپ کر کے رکھ جائے دہن میں

جگر میں چٹکیاں لے گدگدا کر
رجھائے دل پیانو کو بجا کر

خندہ - میر شجاعت علی صاحب نام ہے - بریلی کے رہنے والے تھے ظرافت کے رنگ میں بہت خوب کہتے تھے ۱۸۷۵ء میں زندہ اور بخیریت موجود تھے - چند شعر کلام سے انتخاب کئے جاتے ہیں -

ایک سے ایک شب ہجر میں بڑھ کر آیا — کبھی پسو کبھی کھٹمل کبھی مچھر آیا
پھونس سے یار کو جاڑوں میں تپایا شب بھر — کام آخر مرا ٹوٹا ہوا چھپر آیا
اپنی گھوڑی کو جدا کر تو شرک سے اے شیخ — ہنہناتا ہوا خندہ کا وہ خچر آیا

ہوں کوئی دس سیر چاول اور من بھر شیر ہو — ڈال دو کھاری نمک تو خوب من بھر شیر ہو
مے پرستو شیخ صاحب کی یہ اب توقیر ہو — پاؤں میں گھنگرو بندھیں اور ناک میں اک تیر ہو
کیا کوئی چھیڑے انھیں اور کیا لگائے کوئی ہاتھ — ناک کے پکڑے سے جنکے پھوٹتی نکسیر ہو
ہر دہن کا انکے بوسہ ہے مرے سودا کا علاج — جس طرح اے خندہ تلی کی دوا انجیر ہو

مرا رقیب الٰہی ذلیل و خوار رہے — گلے میں ٹوٹی ہوئی جوتیوں کا ہار رہے
لحاف اوڑھ کے چھپر پہ مائیوں بیٹھے — کہ جب نکاح کے دن اُن کے تین چار رہے
لگا کے آگ بجھانے کو جاؤں دیکھوں اُسے — مرے محلہ میں آکر اگر وہ یار رہے

ہضم ہوتے نہیں اب پانچ پہ رشوت کے — لگ کھاتے تھے پچاسے کے پچاسے پہلے
سینہ پر مار کے ہاتھوں کو وہ سر کوٹتے ہیں — ڈھول پیچھے سے بجا کرتے ہیں تاشے پہلے

خنداں - عبدالحمید نام تھا - لکھنؤ کے رہنے والے تھے - ان کے والد دہلی سے لکھنؤ میں آکر رہے - مگر پھر یہیں رہ پڑے اور پیوند خاک ہوگئے - خنداں مرحوم اول میں

ظرافت کے رنگ میں شعر کہتے تھے۔ بعد کو فنا تخلص کیا۔ اور متین شعر کہنا شروع کئے۔ اس رنگ میں نہایت عمدہ شعر کہنے لگے تھے۔ مگر قضا نے مہلت نہ دی ۲۴-۲۵- برس کی عمر میں سنہ ۱۹۲۶ء میں انتقال کیا۔ اول اول میں باقر صاحب حمید برادر خورد پیارے صاحب رشید مرحوم سے اصلاح لیتے تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد احمد خاں صاحب نظم کو اپنا کلام دکھایا۔ آخر میں محمد جعفر صاحب بہار سے مشورہ سخن کرتے رہے۔ راقم تذکرہ کے بے تکلف دوست تھے گھنٹوں شعر سنتے اور سناتے تھے۔ خود بینی اور خود پسندی مزاج میں زیادہ تھی مگر نہایت سخن سنج واقع ہوئے تھے۔ وہ کیسے ہوتے چند الفاظ تبدیل کر کے اپنے نام سے سنا دیا کرتے تھے۔ کم رو۔ میانہ قد۔ سانولا رنگ تھا۔ سامنے کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ جو ہنستے وقت نہایت بدنما معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے جب ہنستے تھے منھ پر رومال یا ہاتھ رکھ لیا کرتے تھے۔ کلام ضایع ہو گیا اور اب ظرافت کا صرف ایک شعر یاد رہ گیا ہے۔ جو لکھا جاتا ہے۔

میں ایک ساز ہوں مگر اُلٹے طریق کا ۔۔۔ وہ چھیڑنے لگا تو میں خاموش ہو گیا

حرف دال مہملہ

داؤد مولوی محمد داؤد ابن مولوی علی محمد صاحب وکیل عباسی متوطن امروہہ ۲۷ سہ رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۰ھ کو بمقام امروہہ پیدا ہوئے اور سترہ جون سنہ ۱۹۰ء کو بمقام فتح آباد انتقال کیا نہایت قابل ذکی اور ذہین تھے۔ ۲۴ برس کی عمر میں علیگڈھ سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کر کے کالج ہی میں کسی عہدہ پر مقرر ہوئے اور بعدہٗ نائب تحصیلدار مقرر ہو کر مختلف جگہوں میں نہایت قابلیت سے اپنے فرائض کو انجام دیا۔ شاعری کا شوق دوران تعلیم ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ جو ترقی کرتے کرتے مرتبہ اعلی پر پہونچ گیا۔ قدیم اور جدید دونوں رنگوں میں شعر کہتے تھے۔ طبیعت میں چونکہ شوخی کا مادہ زیادہ تھا اس لئے کہیں کہیں وہ ایک ہلکی سی ظرافت کا رنگ اختیار کر لیتا تھا۔ انتخاب کر کے تھوڑا سا کلام درج کیا جاتا ہے۔

ناصح کی گفتگو سے مرا ناک میں ہے دم ‏— آتے ہیں دیکھئے شتر بے مہار سے
یہ جھوٹ اور ہم سے بس اب رہنے دیجئے — ہم بھی تو رات جھانکتے تھے تجھے دیوار سے
سن کر پیام بر سے مرا نام یوں کہا — وہ ہی نہ دبلے پتلے نحیف و نزار سے
معلوم ہے مجھے بڑے استاد ہیں جناب — یوں دیکھنے میں سیدھے سے پرہیزگار سے
خود مجھکو تجربہ ہے بس اب اور کیا کہوں — خالق بچائے ایسے شریروں کے وار سے

کیا بری شے ہے یہ گھبراہٹ بھی جس سے آدمی — آپ کچھ کہتا ہے منھ سے کچھ نکلتا ہے مگر
ایک منشی سے شتر خانہ پہ جو مامور تھا — پوچھا اک انگریز نے نوکر ہو تم کس کام پر

بات تو کچھ بھی نہ تھی لیکن نہیں معلوم کیوں ہو گئے اُسوقت وہ سنکر پریشاں اسقدر
میں شتر خانہ کا منشی ہوں یہ کہتے تھے ولے کہہ گئے گھبرا کے یوں ہوں منشی خانہ کا شتر

ایک دن کچھ آدمی بیٹھے ہوئے کر رہے تھے گفتگو باہم دگر
اُن میں تھا اک شخص ایسا بھی کہ جو کر چکا تھا غیر ملکوں کا سفر
ہوتے ہیں چالاک ایسے لوگ سب وہ مگر اوروں سے تھا چالاک تر
جھوٹ کہتا تھا مگر سچ کی طرح اُس کی باتیں تھیں نہایت پر اثر
ہو رہا تھا تذکرہ ہر قسم کا کر رہے تھے بحث ہر مضمون پر
باتوں باتوں میں کہا سیّاح نے میں عرب میں بھی رہا ہوں سال بھر
سُن کے یہ بات اور تو سب چپ رہے سب نے اس کا قول سچ سمجھا مگر
ایک کے دل میں یہ شک پیدا ہوا کیا تعجب جھوٹ کہتا ہو اگر
اس سے کچھ حالات واں کے پوچھئے سوچکر یہ اُس نے قصہ مختصر
اُنسے پوچھا آپ کا ہوتا تھا واں خدمت زمزم میں بھی گاہے گزر
سُن کے اُسکے منہ سے یہ سیّاح نے سمجھا زمزم نام ہے کوئی بشر
بولے جی ہاں اُنکی خدمت میں تو میں روز حاضر ہوتا تھا وقت سحر
آج دنیا میں نہیں اُن کا جواب ہے تقدس ختم اُن کی ذات پر
اب تو بوڑھے ہوتے جاتے ہیں بہت کیوں نہ ہوں ہیں بھی تو ستر سے اُدھر
سُن کے یہ سب نے لگایا قہقہہ اور کہا تمکو نہیں یہ بھی خبر
اک کنوئیں کا نام ہے زمزم وہاں آپ یہ سمجھے کہ ہے کوئی بشر
جب نہ بن آئی کوئی معقول بات تب کہا سیّاح نے یوں جھینپ کر
اُس زمانے میں تو تھے وہ آدمی ہو گئے ہوں گے کنواں اب کیا خبر

دبنگ۔ حافظ سراج احمد نام تھا۔ مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ مگر نہایت بیباک پھکڑ تھے۔ تمام شاعری اوباشانہ اور بیباکانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی ایک شعر قابل اندراج مل سکا۔

شیخ جی کا بھی انتقال ہوا　　کوئی دنیا میں مسخرا نہ رہا

دگانا تخلص تھا ریختی میں۔ مگر متین اور عاشقانہ کلام میں منجور تخلص کرتے تھے منشی اسداللہ نام تھا۔ علی جان کے عرف سے معروف تھے۔ مقام چھپڑہ ضلع ہگلی کے باشندہ تھے۔ ان کے آبا واجداد کا وطن قدیم دلی تھا۔ مگر ولندیزوں کے عہد میں کچھ اسباب ایسے ہوے کہ ترک وطن کرکے یہاں کی سکونت اختیار کرنی پڑی۔ اور یہی قدیمی وطن ہوگیا۔ چنانچہ دگانا یہیں پیدا ہوئے مگر چونکہ والدین کو تعلیم و تربیت کا ہر وقت خیال تھا اس لئے چھپڑہ میں اسکا انتظام کافی نہ دیکھکر ان کو کلکتہ تعلیم کے لئے بھیجدیا۔ اور یہیں تعلیم پائی۔ دگانا کو ابتدائے عمر میں شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا اور اثناے تعلیم و تربیت ہی میں شعر و شاعری کی طرف جھک گئے۔ کلکتہ میں اُسوقت مولوی عبدالغفور نساخ ایک کامل الفن استاد تھے جو بہ عہدۂ ڈپٹی کلکٹری یہاں پر مامور تھے۔ چنانچہ انھیں کو انھوں نے کلام دکھانا شروع کیا اور منجور تخلص اختیار کیا۔ مگر رنگین طبیعت نے صرف ایک رنگ پر قناعت نہ کی اس لئے دوسرا رنگ ریختی بھی کہنا شروع کیا۔ اس میں بھی نساخ کو اپنا رہنما اور استاد بنایا نہایت پختہ مشق اور صاحب دیوان تھے مگر کلام اب ناپید ہوگیا۔ جو شعر مل سکے وہ درج کرتا ہوں۔

رات کو اک نگوڑے نٹ کھٹ نے　　صحن میں پاکے بے حجاب مجھے
مچھیاں لیں گلے سے لپٹا کے　　پھر لیا زانو میں داب مجھے
منتیں کیں ہزاروں قسمیں دیں　　کرکے چھوڑا مگر خراب مجھے

دل جناب چودھری عبدالرحمن صاحب صدیقی سندیلوی کا تخلص ہے کبھی کبھی رنگ ظرافت میں شعر کہتے ہیں۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

ہوا ہے شوق داغ دل کی کنکیا اڑانے کا	بٹا کرتا ہوں ڈور اُن کے لئے چاک گریبانکی
میں اس انداز کے صدقے کہ تیغ ناز اُس بت نے	ہمارے قتل کرنے کو کبھی کھولی کبھی ڈھانکی
سوالِ وصل پر جو یہ دم انکار رہتی ہے	مری جاں آپکی گردن ہے یا گردن ہے ٹٹیاں کی
بگڑتے کیوں ہو سیدھا کہنے پر لو آؤ بیٹھو تو	تمہاری ہر نگہ ترچھی تمہاری ہر ادا بانکی
میاں مجنوں نے ڈھیلا کھینچ مارا جوش وحشت میں	اٹھا کر پردۂ محمل اگر لیلی کبھی جھانکی
نہیں راضی کسی صورت سے جھولا جھولنے پر دل	مگر ڈوری ہو شاخ سرو قد میں زلف جانانکی

دلسوز نام خیراتی خاں تخلص دلسوز تھا۔ علیگڑھ کے رہنے والے قوم کے افغان تھے شاہ نصیر مرحوم کے شاگرد تھے اور نواب ظفریاب خاں خلف بیگم شمرو کی رفاقت میں زندگی گذارتے تھے۔ شراب بہت پیتے تھے۔ جو بات تھی وہ درجۂ اعتدال سے بڑھی ہوئی تھی۔ ظرافت اور شوخی کلام میں بہت تھی۔ مگر اب کلام نایاب ہوگیا۔ اور کسی طرح باوجود تلاش بھی نہیں ملتا۔ دو تین شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں۔ دلسوز نے ۱۸۵۸ء میں بمقام جے پور انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔

وہ تو کہتے ہیں راز دل اپنا	مت کسی اپنے یار سے کہنا
اور یہاں دلکی بیقراری ہے	روز دو تین چار سے کہنا

سب سہیں گے ہم اگر لاکھ برائی ہوگی	پر کہیں آنکھ لڑائی تو لڑائی ہوگی

دلمیر منور خاں نام تھا۔ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ ابتدائے عمر سے شعر و شاعری

کے دلدادہ تھے۔ مگر ہمیشہ نئی اُپچ کی لیتے تھے۔ اور اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی ایسی بات کہوں جو کسی نے نہ کہی ہو۔ چنانچہ اسی افتاد مزاج کی بدولت یہ رنگ اختیار کیا کہ شرفا اور طبقۂ خواص کی زبان کو چھوڑ کر اس طرف کی چھوٹی قوموں مثلاً گدّی۔ گوجر۔ جاٹوں کے روزمرہ میں شاعری شروع کردی۔ اور اگرچہ یہ رنگ نہایت ہی مشکل اور دشوار تھا۔ مگر دلیر نے اسقدر مشق بہم پہونچائی کہ ۱۸۵۰ء میں ظفر بہادر شاہ آخری تاجدار دہلی کے دربار میں کچھ مدحیہ اشعار اسی زبان میں پیش کئے۔ اور بادشاہ نے ان کو بہت پسند کیا۔ دلیر کو انعام اور خلعت دیا گیا۔ بادشاہ نے غالب اور ذوق وغیرہ سے بھی اسی زبان میں کچھ کہنے کا حکم دیا مگر چونکہ یہ ایک مشکل بات تھی اس لئے اُن لوگوں نے انکار کردیا اور یہ سہرا دلیر کے سر رہا ۱۸۵۷ء تک اسی رنگ میں شاعری کرتے رہے۔ مگر انقلاب سلطنت کے بعد سے اس رنگ کو ترک کردیا۔ پھر بھی چونکہ وہ اس رنگ میں نظمیں۔ غزلیں۔ قطعے۔ مثنوی۔ سبھی کچھ کہہ چکے تھے اسی وجہ سے ایک اچھا خاصہ دیوان مرتب ہوگیا۔ اور اپنی زندگی ہی میں طبع کرایا۔ آخر کار ۷۶ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ انتخاب کلام کے ساتھ ترجمہ بھی دیدیا گیا ہے کہ ناظرین کے لطف میں اضافہ ہو اگرچہ اس کلام سے اصل میں زیادہ تر وہی لوگ لطف اٹھا سکتے ہیں جو مراد آباد سہارنپور کے درمیان آباد ہیں۔ کیونکہ دلیر نے صرف ان ہی قوموں کی زبان ہی نہیں لکھی۔ بلکہ اُن کے طرز تکلم۔ اُن کے طریق معاشرت اُن کی وضع قطع۔ اُن کی صورت آبادی اور بود و باش۔ اُن کے جذبات۔ اُن کے اطوار اُن کے خیالات وغیرہ کو بھی زبان کے ساتھ ہی ساتھ رکھا ہے۔ یہ ایک انتہائے کمال ہے اور اسوجہ سے صرف زبان جاننے والا اُس سے پورا لطف نہیں اٹھا سکتا تا وقتیکہ اُن کی معاشرت اور تمدن سے اچھی طرح باخبر نہ ہو۔ اور یہ نہ جانتا ہو کہ وہ لوگ جن کی یہ زبان ہے کس موقع پر کیا کرتے اور کیا کہتے ہیں۔ مگر پھر بھی غور کرنے پر ہر شخص بقدر ذوق لذت اندوز ہوسکے گا۔ اول میں حمد اور نعت و منقبت دیکھئے کہ کسقدر ندرت کے ساتھ

اونھیں جذبات عوام کو ملحوظ رکھتے ہوے کی گئی ہیں۔

ہے مرکھا لک ہے مرے مالک — تو باپو ہم تیرے بالک

اے میرے خالق اے میرے مالک — تو باپ ہے اور ہم تیرے بچے ہیں

راتوں مارے دنوں جواوے — تیرا انت کوؤ نا پاوے

تو راتوں کو ہمکو مار ڈالتا ہے اور دن کو زندہ کر دیتا ہے — تیرا بھید کوئی نہیں پا سکتا

تجسا ٹھاڈا کون ہے دوجا — جا کی جگت کرے سنگ پوجا

تجسا زبردست دوسرا کون ہے — جس کی تمام دنیا پرستش کرتی ہے

توہی لاڑے میگ ملارا — توہی بوادے بونڈا مہارا

توہی گھٹا سے پانی برساتا ہے — توہی ہماری کھیتی اور بونڈے بوتا اور کاشت کراتا ہی

ہے مرے صاحب بکھسن ہارے — پھاڑے کھوٹے کاگد مہارے

اے میرے بخشنے والے اللہ — ہمارے اعمالنامے بدی کے چاک کر دینے والے

دلمیرا ہے تیرا داسی — توہی دیگا تاتی باسی

دلمیر تیرا غلام ہے — توہی اسکو تازی باسی روٹی دیتا ہی

نعت

نبی محمدؐ رب کے پیارے — جگ پر جا کے راج دلائے

خدا کے پیارے رسول محمد — تمام دنیا کے سردار

رب کے بھیجے جگت میں آئے — مہاری کھاطر دیوا لائے

خدا کے بھیجے ہوے دنیا میں آئے — اور ہماری خاطر شمع لائے

جن دیوے نے کھویو اندھیرا — کرا اُجالا جگت گھنیرا

اس شمع سے دنیا کی تاریکی جاتی رہی — تمام دنیا میں اوجالا کافی ہوگیا

کُران سریہہ کھدا کی بانی — ہمیں سنائی پڑھ کے جبانی
قرآن شریف خدا کی باتیں — اپنی زبان سے پڑھ پڑھ کر ہمکو سنائیں
پاپ گئے اور پن سنوارے — ہو گئے مہارے کل نستارے
جس سے ہمارے گناہ جاتے رہے نیکیاں بڑھ گئیں — اور ہمارے تمام فائدے ہو گئے

منقبت

بی بی پھاطمہ مہاری ماتا — نیم دھرم میں ہیں کیلی داتا
بی بی فاطمہ ہماری ماں — دین و دنیا میں ہمیں بخشش کرنیوالی
مہارے نبی کی پیاری جائی — جا کی سینک حوراں کھائی
ہمارے نبی کی پیاری بیٹی — جن کی حوروں نے سینک کھائی
باپو کی امت جن بکسائی — مالک سامنے دے دے دہائی
جنہوں نے باپ کی امت کی بخشش کرائی — خدا سے فریاد کر کر کے

مدح حسنین

حسن حسین بی بی کے جائے — امت کھاطر سر کٹوائے
حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین بی بی فاطمہ کے بیٹے — جنہوں نے امت کیلئے سر کٹوا دیا

مدح چار یار

نبی صاحب کے چار سپاہی — جنہاں ملکوں دھومس ٹھائی
رسول اللہ کے چار یار ہیں چار حامی ہیں — جنہوں نے تمام دنیا میں اسلام کی دھوم ڈالی
کر دیئے لکھوں نیم کے بندے — ٹرملہ ہو گئے ماڑنس گندے
لاکھوں دین کے بندے بنا دیئے — ناپاکوں کو پاک کر دیا

انتخاب غزلیات

آج رات مہارے گھر بس جا — جاڈا لگے سوڑ ماں دھس جا

آج رات کو ہمارے گھر رہ جا — بڑی سردی معلوم ہوتی ہے لحاف میں چلا آ

چار پہر کا کاٹن کے ہے — بڈی پھجر کے تڑکے نس جا

چار پہر رات کا گزارنا کیا — صبح صادق ہوتے ہی اٹھ جانا

میں کرلوں تونے چمّا چاٹی — تو سانتھڑ سوں سانتھڑ گس جا

میں ذرا ترا منہ چوم لوں گا — تو ران سے ران ملائے پڑا رہنا

تو مونے بھولا پنچھی جانے — تو ہی کہیں نہ جال میں پھنس جا

تو مجھے بھولا جانور جانتا ہے — کہیں ایسا نہ ہو الٹا تو ہی جال میں پھنس جائے

کے مہاڑی نار میں پھانسی دیگا — کاہے کاٹرن ناڑا کاڈھیا

کیا ہماری گردن میں پھانسی لگائے گا — کیوں یہ ازار بند نکال رہا ہے

اک میٹھی دے پران لکاڑے — مو سوں ڈوڈھا بھاڑا کاڈھیا

ایک بوسہ دیکر جان نکال لی — مجھ سے ڈیوڑھا کرایہ وصول کرلیا

کے مجنوں مہاڑی ہوڑ کریگا — جنگلاں جنگلاں تاڑا کاڈھیا

کیا مجنوں ہماری برابری کرے گا — جنگلوں جنگلوں کا نکالا ہوا

سو برباں دلیر عسک ماں — ٹانگ تلے اوہ سارڑا کاڈھیا

سو بار دلیر عشق میں — مجنوں کو ہم نے ٹانگ کے تلے نکال دیا ہے

تجھ بنا پیارے پران تجوں گا
مار کے اپنی ناڑ گنڈاسا

تیری جدائی میں پیارے جان دیدوں گا
اپنی گردن پہ گنڈاسا مارلوں گا

کاٹ کے اپنی ناڑ لہو میں
میں لوٹوں تو دیکھ تماسا

اپنی گردن کاٹ کے
میں لہو میں لوٹوں گا اور تو تماشا دیکھے گا

مہاڑی اوڑیاں سینٹر چلاوے
یو مہارا سارا اوت بلاسا

ہماری طرف اشارہ کرتا ہے
یہ ہمارا سالا اوت ۔ بلاسا

آجا مہارے پاونا آجا
دودھ دہی من مانا کھا جا

آجا ہمارے یہاں مہمان آجا
جتنا جی چاہے دودھ دہی کھانا

پیت نہ کریئے میت کسی کی
پیت پچھوڑے کوٹھی ناجا

ایدوست کسی کی محبت نہ کرنا
محبت کوٹھی میں غلہ بھی نہیں چھوڑتی ہے

ہے من اوت گیو کے تیرو
مہارے ہی اوپر دہونسا باجا

اے دل اوت تیرا کیا گیا
ہمارے ہی اوپر مصیبت پڑگئی

ناہیں رہو من بیری بس کا
پر گیو چسکا جوبن رس کا

یہ دشمن میرے بس کا نہیں رہا
اس کو خوبصورتوں کی محبت کا مزا پڑگیا

جد تیری پایل سج بجے گی
میں تو گوڈوں گاڑا ٹھاوں گا

جب تیری پایل ۔ سج پر آواز دے گی
میں خوب اچھلوں کودوں گا

جو مجنوں موسے ہوڑ بدے گا
تونے لیلی ڈھگ بٹھاؤں گا

مجنوں اگر مجھ سے بحث کرے گا
تو تجھے لیلی کے پاس بٹھاؤں گا

جو تیرے نینوں کا جڑ ہو گا
میں تو سینوں مرمر جاوں گا

جو تیری آنکھوں میں کاجل ہو گا
تو میں اشارے کے مارے مرجاؤں گا

کاکا کانا تاؤ کا	میں لاگو نہیں کاؤ کا
نہ میں چچا کا ہوں نہ تائے کا (بڑا بھائی)	میں کسی کو اچھا نہیں جانتا
مانگن آئیو پھلکا مانڈا	یو تیرا پھوڑا ناؤ کا
پھلکا حلوا لینے آیا ہے	یہ تیرا پھوڑا نائی کا لڑکا

مُنھ جھریا دونگی دوارے نیلور کا	پلہ کھوسے سے ہے مہاری چادر کا
میں ایسے معشوق کے منھ کو جھلس دوں گی	چلتے چلتے میری چادر کا پلہ کھینچتا ہے
ہے رے موسوں نے کے ستم پارٹے	گھاگرا کاٹ گیرا سندر کا
ارے رے چوہوں نے کیا ستم ڈھائے ہیں	سندر کا گھگرا کاٹ ڈالا

ہوڑا کر لے پیٹ مجنوں ہٹ تری دادی کی پونچ	ہاتھ ہتکڑی ساٹھ من کی ناڑ سو من کا کڑا
مجنوں آ ہماری برابری کر ہٹ تری دادی کی دم	ہمارے ہاتھ کی ہتکڑی ساٹھ من کی ہے اور کڑا سو من کا

لا رے کلار کے پھول سراب	سیسا دیکھے جیسوں گلاب
اے کلال کے لڑکے شراب پھول پلا دے	شیشہ گلاب کی طرح سرخ سرخ چمک رہا ہے
پاؤں پاگ کاکھ میں جوتی	ایسی دارو پیو زناب
پاؤں پر پگڑی اور سر پہ جوتی	جناب ایسی شراب پینی چاہیے
کاڑا کا پھر عسک کجات	دیہی روکھ نہ چھوڑے بات
کالا کافر عشق بد ذات ہے	بدن کے درخت پر پتے نہیں چھوڑتا
دلیرا سر سہرا باندھو	چلو رے بھائیو چڑی برات
دلیر کے سر پر سہرا باندھو	بھائیو چلو بارات چڑھی ہے

پوڈھا نوسو یانی نوسی — ٹھائے رے بڑھے ہاتھوں ہاتھ
بڑھا نوشہ نئی نوشی — اٹھائے رے بڑھے ہاتھوں ہاتھ

کرلے ری چمرو کی راج — اوہی چھلنی اوہی چھاج
او چماری کی لڑکی خوب راج کرلے — چند دن میں وہی چھلنی ہو وہی چھاج ہے
موج مارلے سب مجے اُڈا لے — جدلگ رہوے کوٹھی ناج
عیش کرلے مزا اڑا لے — جب تک کوٹھی میں ناج رہے
یو دلمیرا جنم کا بھوکا — کدہیں نہ دیکھا مٹکے ناج
یہ دلمیر ہمیشہ مفلس ہی رہا — کبھی اس کے مٹکے میں غلہ نہ دیکھا
چھورا رہو نہ چھوری ایک — رہے مکدم ادت کے اوت
کوئی لڑکا ہوا نہ لڑکی ہوئی — مقدم یعنی چودھری صاحب ادت کے اوت رہے
کہدے رے پانڈے سانچی سانچ — مہارے کرم کی ریکھاں پانچ
او برہمن سچ سچ بتا — ہمارے کرم میں کیا لکھا ہے
اب کے سیر د کرم میں کھول — بھرلو ناج سول کوٹھے پانچ
 — پانچ کوٹھی اناج سے بھرلو
یابد اچھلو کھا کھا ناج — جا بد ہرنا بھرپیا کلانچ
ایسی روٹیاں کھا کھا کر اچھلو — جیسے ہرن قلانچ بھرتے ہیں
کہے دلمیر جو پانڈا جھوٹ — سر پہ مارو جوتی پانچ
اگر نجومی اے دلمیر جھوٹ بتاوے — سر پر پانچ جوتے مارو
دہولے بلد کی دہاڑی پونچ — لاگے بڑی سہانڑی پونچ
سفید بیل دہانی دم — بڑی سہانی معلوم ہوتی ہے

کاگ اڑاوے بیٹھے ٹانڈ — پھیرے گوپھیا کھیدے سانڈ

مچان پر بیٹھ کر کوے اڑاوے — گوپھیا پھیری اور سانڈوں کو بھگایا

سب سوں بھلے یہ موسل چند — کریں نہ کھیتی بھریں نہ ڈانڈ

سب سے اچھے موسل چند — نہ کھیتی کریں نہ ڈانڈ بھریں

نیناں تیرے بڑے ملوک — ایک سیں ماں من دو ٹوک

تیری آنکھیں بڑی ظالم ہیں — ایک اشارے میں دلکے دو ٹکڑے کر دیتی ہیں

گورے گال مکا کے پھلکا — جنہاں دیکھے بھاگے بھوک

گورے گورے رخسارے مکئی کی روٹی معلوم ہوتی ہیں — ایسے کہ ان کو دیکھکر بھوک بھاگتی ہے

پانوں جوتی سر نا پاگ — ایسے ڈوبے ہمارے بھاگ

پانوں میں جوتہ نہیں سر پر پگڑی نہیں — ہمارے نصیبے ایسے ڈوبے ہوئے ہیں

کے لاگو پھاگن میں سواد — مکّا کی روٹی چنے کا ساگ

پھاگن کے مہینہ میں کیا مزے کا علوم ہوتا ہے — چنے کا ساگ اور بڑی جوار کی روٹی

دوپیازہ ۔ یہ وہی مشہور و معروف ہندوستان کا ظریف ہے ۔ جس کے پھڑکتے ہوئے لطیفے آجتک زباں زد عوام ہیں جو دربار اکبری کی زینت اور بادشاہ وقت کی ہر طرح کی دلچسپی اور تفریح و نشاط کا ٹھیکہ دار تھا اصل نام ملا عبدالمومن تھا ۔ خاک پاک دلی کے رہنے والے تھے باپ کا ولی محمد نام تھا ۔ ہر طرح کے علم و فضل سے بہرہ ور تھے ۔ ترکی فارسی عربی زبان نہایت اچھی جانتے تھے ۔ مگر تمسخر اور ہزلیت اسقدر مزاج پر غالب تھی کہ اس لئے تمام علوم اور تمام فضائل اسکی زد میں آگئے تھے ۔ کوئی بات ہوتی ۔ کیسی ہی متین اور سنجیدہ گفتگو ہوتی مگر یہ اپنے رنگ خاص میں ڈھال کر اس کو دلچسپ بنا دیتے ۔ ایک بات کہتے لوگوں کو سو سو مرتبہ ہنساتے اکبر کے جلیس خاص تھے ۔ ندیم خاص راجہ بیربل سے ہمیشہ چشمک رہتی تھی وہ وہ بر محل اور

چبھتی ہوئی پھبتیاں کہتے کہ راجہ صاحب اور تمام سننے والے ہونٹ چاٹتے رہجاتے تھے عرصہ دراز تک متھرا میں مقیم رہے - اور اصلی وطن آبا و اجداد کا یہی تھا - وہاں کے پوجاریوں اور پنڈتوں سے ہمیشہ مباحثے اور گفتگو جاری رہتی - اسی وجہ سے زبان ہندی میں بھی شاعری کرتے تھے - مگر بیشتر فکر سخن کا فارسی میں اتفاق ہوتا تھا - ابوالفضل سے مشورہ سخن کرتے تھے - آخر عمر میں ہنڈیا جو نواح قصبہ چھیپا نیر ضلع بھوپال میں ہے وارد ہوئے - کسی سے پوچھا کہ اس جگہ کا نام کیا ہے جواب ملا کہ ہنڈیا - کہنے لگے کہ بس اب دوپیازہ ہنڈیا سے نکلکر کہاں جائے گا - اور آخر کار یہیں پیوند خاک ہوئے ملا صاحب تصنیف تھے اور کئی کتابیں انسے یادگار رہیں - چنانچہ انزاک عالمگیری لغت ترکی فارسی کے لطائف - النامہ - ملانامہ - یہ سب ملا ہی کی تصانیف ہیں - اگرچہ اردو زبان میں ان کا کلام ہونا ایک امر بعید از قیاس ہے مگر معتبر تذکروں میں یہ شعر ملا کے نام سے ملتے ہیں اس صورت میں سوائے لکھنے کے اور ہمارے پاس کیا چارہ ہے - اس لحاظ سے کہ عہد اکبری میں شاہان دکن کے یہاں اچھی خاصی اردو رائج تھی نقل کرنے میں باک بھی نہیں ہے

وہ گورا گورا لڑکا بامن کا شوخ گھونا — ایسا لگے ہے مجھکو جوں کھانڈ کا کھلونا
شوخی نپٹ کرت ہے تک چھکنی ہاتھ دل کر — تیں تاک شیخ کیتی ایسی طرح ملونا
تالی بجی ہے کیا کیا کل شیخ جی کے پیچھے — رم ورب بغل میں بھاگا لے اوڑھنا بچھونا
دوپیازہ ان دل و جان قرباں چرانیا نہم — جوبن لے مدھ کا ماتا وہ سانولا سلونا

پیالہ پیم رس کا چاکھ بیٹھے — ملت ہیں تن بدن پر راکھ بیٹھے
نہ دوپیازہ کی دلداری کرت ہے — مگر صد گونہ ہا خواری کرت ہے
دوپیازہ اب نکس ہنڈیا میں آئے کے — مکھی کے ہاتھ پھنس گئے جانے جاکے

دوزخی - لالہ ہرچند نام ہے - لاہور کے رہنے والے ہیں - انگریزی میں ایم اے

تک تعلیم پائی ہے۔ سردست کسی اخبار میں ایڈیٹر ہیں مجھے مرزا واجد حسین یاس و یگانہ سے آپ کا نام و پتہ وغیرہ معلوم ہوا۔ چنانچہ نہایت اشتیاق کے ساتھ طلب کلام مزاحیہ کے لئے ایک نیازمندانہ عریضہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا گیا۔ مگر نہ معلوم کیوں جناب نے نہ کوئی جواب دیا نہ کلام روانہ کیا۔ اتفاقاً چند روز کے بعد اڈیٹر صاحب نیرنگ خیال سے ملاقات ہوئی۔ موصوف کے تعلقات چونکہ دوزخی صاحب سے نہایت وسیع ہیں اور سنا ہے کہ قریب قریب روزانہ ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ لہذا ایڈیٹر صاحب سے بھی اُن کے کلام کے بھیجنے کی استدعا کی۔ اُنھوں نے بھی بربنائے اخلاق وعدہ فرمالیا مگر اس کے بعد ہاں نہیں کا کوئی جواب نہ دیا۔ مجبور ہوگیا۔ لہذا سردست دو شعر جو میرے پاس ہیں انھیں پر اکتفا کرتا ہوں۔

ایک وقت تھا کہ ہندوستان میں نہیں بلکہ دنیا میں علامہ کوئی بڑی ہی مشکل سے ہوتا تھا۔ مگر اس وقت صرف ہندوستان ہی میں سیکڑوں علامہ موجود ہیں اور اس لفظ کی وہ ارزانی ہے کہ اب جب علامہ کی آواز سنائی دیتی ہے تو ساتھ ہی ابتدائی معنوں کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ اسی بارہ میں دوزخی کہتے ہیں۔

کہنے لگے بس آج سے علامہ ہوا میں | اسباب کا لطف آیا مجھے خوب ہنسا میں

دوسرا شعر کسی معاصر پر چوٹ ہے۔

حضرت ہدہد بھی شاعر بن گئے | جانور کے سر پر تاج اچھا ہے

مرزا دھیسے اودھ پنچ سابق کے ایک ظریف نامہ نگار تھے جن کی ایک تاریخ داغ کی وفات پر میری نظر سے گزری۔ اگرچہ مرزا داغ کی جناب میں گستاخی ہوتی ہے۔ مگر لما مور معذور نقل کرتا ہوں۔ ظرافت اور شوخی اس سے ٹپکی پڑتی ہے۔

مانا کہ داغ بیٹھنے میں ایک ہی داغ تھے | اُٹھنے میں دیکھئے نہ مگر جا بجا تھے

باغ سخن میں مانئے ہر چند عندلیب — روغن میں رنگ میں تو شبیہ غراب تھے

قند سیاہ گرچہ مقابل تھا تلخ کام — شیریں بیانیوں میں مگر پھر بھی راب تھے

تھا جامہ زیبیوں میں تو کچھ سرج کچھ ڈرم — یہ سچ ہے دھوپ چھاؤں کے وہ آفتاب تھے

تھا تذکرہ تو پورٹ کا وہسکی کا بزم میں — گو مست حسن صورت و کیف شراب تھے

ٹپکی تھی لیڈیوں کی کمر پر بھی خوب رال — بگھی فٹن بروں جو تھے لاجواب تھے

کرتے تھے حسن کی تو ولایت میں کورٹ شپ — بے پردگی کے باب میں لیکن حجاب تھے

ڈوبے ہوئے تھے رنگ قدیم و جدید میں — خوبو میں ہر طرح سے لونڈا گلاب تھے

دیوانہ طالب علی نام تھا۔ بنارس میں قیام تھا۔ اور یہ نمونہ کلام تھا۔ ۱۸۶۲ء تک زندہ تھے۔

بندہ بے داموں بکا ہے آپ کی سرکار میں — شوق سے بیچو کھڑا کر کے مجھے بازار میں

مجھکو حیرت ہے لڑائی کیلئے چھوڑا ہی کیا — گالیاں دیتے ہیں وہ دشمن کو ہر دم پیار میں

ہو گیا ناز اُن کو اپنے حسن پر حد سے سوا — جو نہ کہنا تھا کہا سب ہم نے اُنسے پیار میں

اپنے مرنے کا کیا دعوی تو بنے ہنسکے وہ — بولتے ہو مر کے تم دنیا میں زندہ پیر ہو

حرف ذال معجمہ
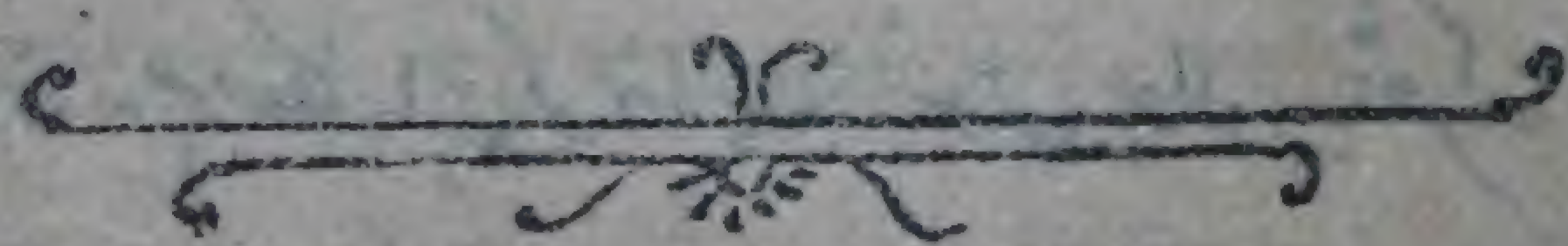
ذاکر۔ شیخ ذکریا نام تھا۔ غازی آباد یا نواح غازی آباد ضلع میرٹھ کے باشندے نہایت نیک نفس وجیہ خوش وضع ظریف الطبع تھے۔ راقم الحروف کے بڑے دوست تھے دہلی میں قریب قریب روزانہ ملاقات ہوا کرتی تھی۔ گھنٹوں شعر خوانی کی صحبت رہتی۔ ذاکر مرحوم دونوں رنگوں میں شعر کہتے تھے۔ ظرافت بھی متانت سے دور نہ ہوتی تھی۔ اور متانت یبوست اور پھیکے پن سے ہمیشہ پاک رہتی تھی۔ اس میں بھی ایک خاص قسم کی لطافت اور شیرینی کی جھلک پائی جاتی تھی۔ مجموعہ کلام ایک دیوان میں جمع کر لیا تھا۔ مگر افسوس کہ عین عالم شباب میں بعمر ۲۵ سال ستمبر ۱۹۱۸ء میں انتقال کیا۔ اب وہ غیر مطبوعہ کلام مفقود اور نایاب ہو گیا۔ صرف چند روز کی باہمی صحبت میں حافظہ نے چند شعر محفوظ کر لیے تھے وہی لکھتا ہوں۔

مرا دین و مذہب اُٹھا لیگیا — وہ بُت کل مُصلا اُڑا لے گیا

نقط خالی پاکٹ کے مالک ہیں ہم — بقیہ وہ اک اک ٹکا لے گیا

بھو کے عاشق کے واسطے ذاکر — گال سے شیرمال اچھا ہے

نہیں تخصیص زلف کی کوئی — آپ کا بال بال اچھا ہے

قتل بھی کرتا ہے اور پھر وہ جلاتا بھی ہے — خوب قسمت سے ملا مجھکو کھلاڑی معشوق

حرف ال ہندی

ڈاکٹر۔ نام ونشان معلوم نہیں صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ کوئی صاحب رامپور کے رہنے والے ہیں اور دور موجودہ کے شاعر ہیں۔ ایک صاحب نے یہ دو شعر ظریفانہ سنائے

ادھر پھانسی گلے میں کاکل پیچاں نے ڈالی ہے   اُدھر ٹٹی لگائے آڑ میں کرتی کی جالی ہے
حیا کا ہاے یہ کہنا کہ خواب ناز سے اُٹھئے   نہیں تو اب یہاں تم سو نگی چوری ہونیوالی ہے

ڈھینڈس۔ کوئی صاحب بھوپال کے نہایت مشہور و معروف ظرافت گو ہیں۔ میں نے انکی خدمت میں متواتر تین چار خط بھیجے مگر یا تو خط نہیں پہونچے یا انھوں نے استغناے شاعرانہ سے کام لیا اور تذکرہ کو اپنے کلام سے محروم رکھنا پسند کیا۔ پھر بھی۔ شوق در ہر دل کہ باشد رہبرش در کار نیست کسی نہ کسی طرح کچھ شعر اُن کے حاصل ہو ہی گئے۔

پڑی عشق کی ٹاپ رے ٹاپ رے   ارے باپ رے باپ رے باپ رے

سنا ہے کہ بسم اللہ کوئی ان کی محبوبہ مطلوبہ تھیں ایکبار وز ڈھینڈس صاحب نے اُن کی دعوت کی مگر اُس طرف سے وعدہ وفا نہ ہو سکا۔ ان کو نہایت افسوس ہوا اور یہ شعر کہا۔

یاد میں سات سو چھیاسی کی   ہمنے تازہ شراب باسی کی

ایکمرتبہ کسی کے یہاں تحفتہً پلاؤ بھیجا۔ مگر وہ صاحب کچھ ان سے خفا تھے غصہ سے پلاؤ کا پلیٹ زمین پر پھینک دیا اور بعد کو جب خیال آیا کہ رزق کی بے حرمتی ہوتی ہے تو فوراً اسکو دفن کرادیا۔ ڈھینڈس صاحب کو معمول سے زیادہ رنج ہوا۔ اور یہ شعر کہا

آج زردہ پکا کے بانٹیں گے   فاتحہ ہے پلاؤ مدفول کا

چکی کا پاٹ بن کے پھرا سر پہ رات دن
ہیں پیٹ میں چھپے ہوئے چرخ کہن کے پانو

مرنے سے مفلسی کا مری پردہ کھل گیا
اندر کفن کے سر ہے تو باہر کفن کے پانو

سونے کی جستجو میں جو چھانی بہت سی خاک
آخر کو ہاتھ آ گئے اس سیمتن کے پانو

صد شکر پایا مرتبۂ غوث قتل سے
سر ہے کہیں کہیں ہیں ترے خستہ تن کے پانو

چاندی کی نہریں لاکھ دکن میں بہیں تو ہیچ
مفلس نہیں کہ میں رکھوں باہر وطن کے پانو

ذکی۔ لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ غالباً مولانا انوار مرحوم کے شاگرد ہیں۔ ظرافت میں اگرچہ ہزل کا رنگ شامل ہو جاتا ہے۔ مگر پھر بھی نہایت بہتر کہنے والوں میں شمار کئے جاتے ہیں خصوصیت سے پڑھنے کا انداز نہایت خوب ہے ہر شعر کی ایک زندہ تصویر کھینچکر دکھا دیتے ہیں۔ شوخی مضامین۔ صفائی زبان وغیرہ آپ کے کلام کا جوہر اعلیٰ ہیں۔ راقم الحروف کے دوست ہیں۔ عرصہ سے بہ سبب پریشان روزگاری دلّی میں مقیم ہیں انتخاب کلام یہ ہے۔

دھر پتنگ ہو گی نہیں تو اُسے سمجھا دیجئے
گالیاں دیتا ہے روز آپکا دربان مجھکو

زلف پر پیچ کی الفت میں ہیں تھیر جاؤں
دیکھنے کو جو ملے بھول بھلیاں مجھکو

دی ہے سو مرتبہ جب یار کو پیؔ میں نے
تب کھلائی ہیں کہیں دھیلے کی گھنڈیاں مجھکو

جب کہا قیس نے بچپن ہیں لپٹ جا پیاری
کہا لیلیٰ نے کہ بھئی مارینگی اماں مجھکو

وصل ہو جائے چیڑ اس لئے کرتا ہوں فقط
ورنہ ٹھینگا بھی نہیں الفت جاناں مجھکو

اے ذکی گر گئیں نزلہ سے جو اُن کی پلکیں
نظر آنے لگا بے خار گلستاں مجھکو

تھا حکم نجد میں لیلیٰ کا سارباں کے لئے
کہ بھیا جلد نکل چل شتر کو ہانکے لئے

نہ اُچکے کس لئے صیاد بانس چھوٹا ہے
یہ کوششیں ہیں فقط میرے آشیاں کے لئے

بھناد ئے نہ چنے بھی ہمیں یہ کہتا تھا قیس
دو وقتہ قورمے جاتے ہیں پاسباں کیلئے

جب مرے خاص اشاروں کو سمجھتا ہی نہیں ‏ ‏ پھر وہ کس کام کا کمبخت اناڑی معشوق

بادۂ تند سے ہے مجھکو زیادہ ذاکر ‏ ‏ کورے مٹکنے میں دیتا ہو جو تاڑی معشوق

کام آتا ہے نکیرین کا پہرہ ذاکر ‏ ‏ نہیں رہتا کسی مردہ کو کفن چور کا خوف

قابل رشک ہے آزادیِ مار گیسو ‏ ‏ نہ سپیروں کا کوئی ڈر نہ کسی مور کا خوف

سگانِ کوچۂ جاناں اب کھٹکنے ہو گئے ذاکر ‏ ‏ جو دربانوں سے بچ جاتے ہیں تو یہ ٹانگ لیتے ہیں

ذبیح - حکیم منشی محمد اسمعیل خاں نام ہے - دہلی وطن ہے - ایک زمانہ میں محلہ بہادر گنج دہلی میں مطب کیا کرتے تھے - اس کے بعد نواب سعید الدین احمد خاں طالب مرحوم کے یہاں ملازم ہو گئے تھے اب خدا معلوم کہاں ہیں - پہلے افضل الاخبار میں اِن کے مضامین بطریق ضمیمہ کے نکلا کرتے تھے - اسمیں بھی ظرافت کا چٹخارہ رہتا تھا - غزل میں بھی ظرافت شامل کر لیتے ہیں - اور دونوں رنگ ملا کر سامعین کو محفوظ کرتے ہیں ۱۳۳۱ھ ۱۹۱۲ع میں دلی کے بعض مشاعروں میں میں نے ان کو دیکھا تھا اس وقت پچاس پچپن برس کی عمر تھی - انتخاب کلام ظرافت یہ ہے -

نگہ میں کھنا رند و محتسب چھپ چھپ کے آتا ہے ‏ ‏ اُچکا ہے اڑا لیجائے گا کفگیر میخانہ

شراب پاک بند و نکو وہاں حوریں پلائینگی ‏ ‏ کہیں جنت نہو واعظ تری ہمشیر میخانہ

خدا جانے جو خواہش اور کچھ ہوتی تو کیا ہوتا ‏ ‏ ذرا سے ایک بوسے پر تمہارا دم نکلتا ہی

وحشت جنوں میں کبھی نہ پھرے ہم برہنہ پا ‏ ‏ یہ آبلے ہی پانوں کے پاپوش ہو گئے

مین نے لگائے گھر نے جو اس سحر فن کے پانو ‏ ‏ چھٹی سے پانوں ہو گئے ایک ایک من کے پانو

ذوقی - میر عبدالواحد نام تھا ذوقی تخلص سید محمد اشرف درگاہی کے صاحبزادہ تھے بلگرام وطن تھا - نہایت شیریں کلام - اور لطیف الطبع تھے - اُن کے والد سید محمد اشرف موضع راہون کے جو نواحی لاہور میں تھا حاکم تھے - اتفاق سے وہاں کے کچھ سرکش لوگوں سے جنگ ہوئی ذوقی بھی وہیں تھے اسی باعث سے اس معرکے میں شریک ہوئے - اور اسی موضع میں بتاریخ ۲ محرم الحرام ۱۱۳۴ھ روز جمعہ بعد نماز عصر لڑتے ہوئے مارے گئے - مولف خمخانہ جاوید نے غلطی سے انھیں کو راہون کا حاکم لکھا ہے - مگر دراصل یہ حاکم نہ تھے جیسا کہ تذکرہ سرو آزاد کی عبارت سے ظاہر ہے ذوقی مرحوم اردو فارسی میں بھی شعر کہتے تھے اور متین اشعار میں اپنا تخلص واحد رکھتے تھے چونکہ شیرینی کلام سے ان کو نہایت ذوق تھا اسواسطے اُسکی تعریف میں پورا ایک دیوان کہہ ڈالا جو شکرستان خیال کے نام سے آج بھی ملتا ہے - اس میں غزل - رُباعی قطعے - مثنوی مخمس - ترجیع بند وغیرہ سب کچھ موجود ہیں - اور ایک شعر سے ابو اسحاق اطعمہ کے کلام کا مزا آتا ہے - جسکا انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے -

آنانکہ پردہ از رُخِ لوزینہ واکنند — آیا بود تواضع صحنے بما کنند
نان از تنور بہر مُربا جدا شدہ است — لازم بود کہ حق غریبی ادا کنند
در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست — اہمال در تناول فرنی چرا کنند

انجیر را ز شاخ درخت ار جدا کنید — پنہاں ز چشم بد بہ لبش آشنا کنید
یکبار پوست را ز تنش بر کشیدہ اید — بار دگر بہ کیلہ ندانم چہا کنید
ہنگام آں شدہ کہ اسیرانِ انبہ را — بر کام دل ز محنتِ زنداں رہا کنید
آوردہ ام برائے شما شربتِ انار — نوشش کنید و مخلص خود را دعا کنید

شیریں نشدے ذائقہ شکر نشدے گر — چشمم نشدے سیر مزعفر نشدے گر

کھلا کے قیس کو لیلیٰ نے ادر الٹی دی | کہ ہوگی فاقہ سے لیجایہ اپنی ماں کیلئے
یہ حال ہے ترے کشتہ کا ابتو اے جاناں | کہ کتے لاش پہ لڑتے ہیں استخواں کے لئے
تو اس پری کی محبت میں گھوم جا اے غیر | کہ تیرا باپ بھی لوٹ تھا تیری ماں کے لئے
کسے لگاؤ گے تم تیر مرگیا عاشق | وہ فاختہ نہ رہی اب خلیل خاں کے لئے

اے جان جاں بتائیے گیسو کدہر گئے | وہ کون سے گدھے ہیں جو یہ کھیت چر گئے
ظالم پس فنا بھی ہے بوسوں کی آرزو | منھ کھل کے رہ گئے ترے عاشق جو مرگئے
سوتے میں لے گیا کوئی زلفیں تراش کے | وہ مجھسے بدگماں ہوے مونچھیں کتر گئے
طفلی میں کھو نہ دینا کہیں عاشقوں کے دل | پھر روؤ گے کہ میرے کھلونے کدھر گئے

ذلیل - نو بہار نام تھا - میرزا سلیمان شکوہ بہادر کی کنیز تھی - نہایت شوخ تیز طبع شعر گوئی کا شوق تھا - مگر تخلص کی رعایت کو ہمیشہ مدنظر رکھتی تھی - یعنی ریختی کے فحش شعر کہتی تھی - دو شعر جو صاف ہیں نقل کرتا ہوں -

میں فرشتے کی بھی سنتی نہیں ناصح کیا ہو | اپنے کرتوت پہ جبدم کہ اتراتی ہوں

تمسے اللہ رکھے اپنی اماں میں مرزا | ہمسی پریوں کو بھی دیوانہ بنا لیتے ہو

ذوقا - شاہ ذوقا ذوقا کرکے مشہور تھے سنا ہے کہ بنارس کے رہنے والے تھے مجذوب الحال تھے غدر سے پہلے شرف الدین احمد کے پاس میرٹھ میں آکر رہے تھے - ایک شعر مل سکا ہے - اسے مجذوب کی بڑ سمجھیے یا ظرافت جانیے -

نے بام کے ہیں زیب نہ زینت کسی در کے
ہم باٹ کے روڑے ہیں ادھر کے نہ ادھر کے

چنداں بہ ادب دست نمی داشتمش من　　　با شیر و شکر حب پیمبر نشدے گر
حلوا نفرودے بدماغ این ہمہ قوت　　　ذوقی ہمہ اجزا مثق برابر نشدے گر

نقل بگیر بزرباں یکد و سہ چار پنج و شش　　　ریزہ قند در دہاں یکدو سہ چار پنج و شش
در قدح بلور کن شربت قند با گلاب　　　چمچہ بزن خراں میاں یکدو سہ چار پنج و شش
بیدہ دلفریب را گرچہ ثقیل گفتہ اند　　　لیک غذا نہ و زیاں یکدو سہ چار پنج و شش
شاہد انبلم بکف گرفتہ از کمال شوق　　　بوسہ ہم گشتہ اں یکدو سہ چار پنج و شش
صحن پرانہ مزعفر و کاسہ پرانہ برنج و شیر　　　خوب نمایدم بخواں یکدو سہ چار پنج و شش
مصرع نغز اطعمہ وہ چہ خوش است ذوقیا　　　خربزہ ہائے خوش نہاں یکدو سہ چار پنج و شش

نہ تنہا دل ز ذوق برفیم بیتاب می گردد　　　کہ از یاد زلابی محو پیچ و تاب می گردد

بہ بیا بہ سوے چپاتی بہ دیدہ انصاف　　　کہ بے وصال شکر حالت نزاراں چیست
غرض ز موسم برسات اولہ پوندی است　　　دگرنہ ایں ہمہ تمہید برق و باراں چیست

چرا نہ نیشکر از خرمی بخود بالد　　　کہ آں او ہمہ مقبول آمد و منظور

در تمنائے ملاقات شکر اے ذوقی　　　آب گردید دل شیر بہ الفت سوگند
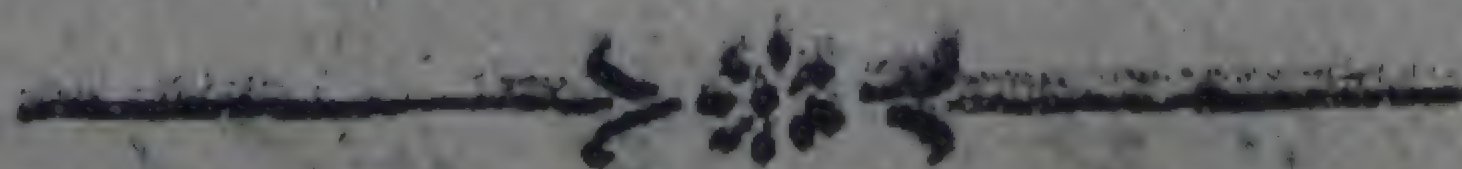
حرف رائے مہملہ

راحت - دہلی کے کسی نامعلوم ریختی گو کا تخلص ہے - باوجود تلاش حال نہ مل سکا کلام مل گیا - جو حاضر ہے -

جب سے وہ بانکا سجیلا دل کو ہے بھایا ہوا
انگ لگتا ہی نہیں گوئیاں مرا کھایا ہوا

میں اپنی ایڑی چوٹی پہ ٹھنڈے کروں گی آپے
یہ مردوا انگوڑا تو لٹھ ہے گنوار کا

روؤگی تم تو وہ آجائیگا بیٹا پھر ابھی
تم جو چپکی ہو رہی ہو آکے جو آ پھر گیا

دودھ لینے کا ارادہ تھا جو دوڑایا تھا ہاتھ
نوچ لی انگیا مری دیکھو موئے بندر کی بات

جو رو بیٹی ماں بہن کا کچھ نہیں کرتے خیال
گھر میں آکر صاف کہہ دیتے ہو تم باہر کی بات

گونگی بہری کب تلک تو گو بنی بیٹھی رہوں
نند کی باتیں سنوں ہے ہے کہ میں دیور کی بات

پوتی پوتوں والی ہو کر لال جوڑا پہنوں میں
مجھکو تو بچی یہ بڑھاپا چلا آتا نہیں

کھلا تو یوتا ہوئی پوری آرزو تیری
ڈگانا لال سا بیٹا جنی بہو تیری

لحاظ آیا کسی کا نہ تجھکو عصمت جان
غلام سے گئی پکڑی جنم میں تو تیری

رحیم - ایک قدیم ریختی گو تھے جو ولی اور رحمان کے معاصر تھے - خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم میں انھیں ریختی کے طرز کا مخترع اور موجد بتایا گیا ہے -

اری نادان میں اپنے سجن کو کیوں رُٹھایا ہی — مُٹھا کر پیو کو جگ میں کسی نے ذوق پایا ہی
بہت پچھتائیگی میری نصیحت مان کہتی ہوں — سکھی کو رات سوہی ہے پیارے کو جو بھایا ہے

رُسوا ـ خیرات علی نام تھا ـ پنجاب کے رہنے والے تھے ـ مگر عمر بھر دلی میں قیام اور مقام رہا ـ نہایت شوخ زندہ دل ظریف الطبع تھے بات بات میں لطیفے اور چٹکلے کہتے تھے خود بھی ہنستے اور سننے والوں کو بھی پہروں ہنساتے ـ غزل گوئی کا شوق تھا ـ میر ممنون سے اصلاح لیتے تھے ـ مگر ظریفانہ رنگ میں اچھی خاصی دستگاہ رکھتے تھے ـ مگر اکثر شعر ہزالی اور فحش کے درجہ تک پہونچ جاتے تھے ـ چند شعر مع حالات کے ایک قدیمی قلمی بیاض میں نکل آئے جنہیں سے متین ـ اور غیر مہذب دونوں رنگوں کو چھوڑکر یہ شعر جو ظریفانہ کہے جاسکتے ہیں انتخاب کر لئے ـ

نالہ کرے نہ ہجر میں اختر شمار ہو — شام فراق در کا ترے چوکیدار ہو
رسوا یہ لین دین ہے تو کیا ضرور ہے — دل اپنا انکو نقد دیں بوسہ اُدھار ہو

مجنوں کی بھی دست درازی ہی تو اک روز — سر مونڈ کے لیلی کو چڑھا ے گا شتر پر
میں خود تری زلفوں میں گرفتار ہوا ہوں — تو نے تو نہ بھیجے تھے سپاہی مرے گھر پر
کچھ اونٹ سے کم حضرت زاہد بھی نہیں ہیں — اتنی سی کسر ہے نہیں کوہان کمر پر

رسم ـ لکھنؤ کے ایک قابل ظرافت نگار کا فرضی تخلص ہے ـ جن کی قابلیت اور استعداد علمی نہایت معقول ہے ـ ظرافت صرف ظرافت تک محدود نہیں بلکہ اس سے گزر کر وہ فحش کی حدود میں پہونچ جاتی ہے میرے بیحد اصرار اور التجا پر چند شعر عنایت فرمائے ـ لیکن اس کے ساتھ ہی منع فرمادیا کہ نام یا صحیح پتہ ہرگز نہ لکھا جائے ـ کلام بھی بہت کم دستیاب ہوسکا ـ کیونکہ ایسے اشعار جو صاف شستہ ظرافت یا زیادہ سے زیادہ ہزل

تک ہوں ان کے یہاں بہت کم ہیں بلکہ بجاے اس کے فواحش کی گرم بازاری اور زیادتی ہے۔ بہر صورت جو شعر ان اسقام سے پاک ہیں اور مجھکو مل سکے ہیں وہ درج کرتا ہوں۔

ہر اک زبان پہ غلغلہ ہے کھدر اور سوت کا
پھنسی ہیں مادر وطن جناب نور باف سے

نہ اُن کی والدہ ہوئیں نہ وہ نہ عشق مرا
خدا دراز کرے عمر اُن کی نانی کی

پھُلائے پھرتے ہیں وہ پیٹ چھ مہینے سے
ذرا سی گوشت کی بوٹی نے یہ گرانی کی

گزر رہی ہیں شب انتظار کی گھڑیاں
اُدھڑ رہی ہے سلائی مری میانی کی

شدت ضعف کا کیا ذکر کہ اگر شب غم
چارہ ساز آکے سہارے سے کھڑا کرتے ہیں

ہمنے سر ڈھانکا اُنھوں نے فیل ہمکو دیا
آپ ہمسر اور ہم اپنی خون کا دعوی کریں

رشک - ان کا میر علی اوسط نام تھا لکھنؤ کے نہایت مشہور و معروف شاعر تھے شیخ امام بخش ناسخ مرحوم کے نہایت رشید شاگرد تھے زبان کے زبردست محقق تھے۔ ایک لغت زبان کی ترتیب دی تھی مگر افسوس کہ وہ شائع نہ ہو سکی۔ دو دیوان نظم گرامی نظم مبارک غدر سے پیشتر طبع ہوے تھے اب کمیاب ہیں۔ منیر شکوہ آبادی اُن کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ رشک نے ۱۲۸۴ھ میں بعمر ۷۰ سال انتقال کیا۔ اگرچہ یہ نہایت متین اور مہذب تھے۔ مگر ان کے بعض شعر ظرافت کے بھی پائے جاتے ہیں۔ اسکی وجہ صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ اسوقت کے لوگ متانت کے ساتھ ظرافت نگاری کو بھی شامل رکھتے تھے۔ جو شعر لکھے جاتے ہیں اُن سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نادانستہ ظرافت نہیں ہے بلکہ قصداً اس طرف قدم بڑھایا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہرگز نہ لکھی جاتی

چاول الماس گوشت لخت جگر
فرقت یار میں پلاؤ نہیں

میرے کھانے سے کیوں فلک ہے کباب
پاؤ روٹی ہے نان پاؤ نہیں

اور کیا ہے ترا لعاب دہن
یہ اگر قند کا چواؤ نہیں

اب کے جاڑے ہیں اونالۂ وآہ　　　　اس طرح کا کوئی الاؤ نہیں
یہ زمینِ غزل وہ ہے اے رشک　　　　جس میں ذرہ کہیں بھراؤ نہیں

اے مایۂ حیات کبھی مجھ کو بھیجدے　　　　جوٹھا تری رکابی کا تورونسے کم نہیں
یارب یہ گورے ہیں کہ فرشتے عذاب کے　　　　بنگلے بھی کان پور کے گورونسے کم نہیں

مندرجۂ بالا غزل سنکر کسی ظریف الطبع نے سر مشاعرہ یا سر محفل رشک کو مخاطب کیا اور یہ شعر پڑھا۔

چھیچھڑے دور سے دکھاؤ نہیں　　　　رشک بیٹھا ہے بن بلاؤ نہیں

سننے والوں نے وہ قہقہہ اڑایا کہ محفل عشرت گونج گئی۔

رفیع الدولہ۔ دکن کے ایک خود پسند بیوقوف رئیس زادہ کا تخلص تھا۔ اگرچہ اس کا تذکرہ کرنا اچھا نہ معلوم ہوتا تھا۔ مگر چونکہ تذکرہ روز روشن اور تذکرۂ آفتاب عالمتاب میں ناظرین کی دلچسپی کے لئے ان کا ذکر لکھا ہے۔ اس لئے اتباعاً میں نے بھی لکھنے پر لکھنے کو ترجیح دی۔ جس زمانہ میں انگریزوں نے دکن میں ریاست پر قبضہ کر لیا۔ تو رفیع الدولہ کلکتے پہونچے۔ نواب گورنر جنرل اور دوسرے معزز انگریزوں نے اُس کی بیحد دلدہی اور تعظیم کی اور معقول مشاہرہ ان کے اخراجات کے لئے مقرر کرادیا۔ چونکہ رفیع الدولہ کا دماغ جلا ہوا تھا۔ ان کی وہی بیہودہ اور لایعنی باتیں جاری تھیں مثلاً آپ جہاں کہیں کسی جلسہ وغیرہ میں شریک ہوتے تو بغیر تجویز صدر کی کرسی پر خود ہی رونق افزوز ہو جاتے تھے۔ کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی سلام کرتا تو آپ آنکھ کے اشارے سے سلام لیتے تھے۔ چھیڑنے اور بنانے کے لئے بڑے بڑے آدمی بھی آپ سے جی حضور سے بات کرتے اور جو کچھ کہنا ہوتا تھا دست بستہ کہتے تھے۔

دوسرا خبط یہ تھا کہ ہر سال بہت سا حلوا۔ اور روٹیاں سگ اصحاب کہف کی روح کو ثواب پہونچانے کے لیئے تقسیم کرایا کراتے تھے۔ تیسرا خبط یہ تھا۔ کہ اپنے دیوان یعنی اپنے منشی کو جس سے اکثر اپنی باتیں لکھوایا کرتے تھے کاتب الوحی کہا کرتے تھے۔ یعنی اپنے کلام نثر و نظم کو وحی آسمانی جانتے تھے۔ چوتھا خبط یہ تھا کہ آپ شعر فرماتے تھے اور کبھی بھول کر بھی موزوں نہ فرماتے تھے۔ بلکہ آپ کے کلام کو رنگ ظریفانہ میں شامل کرنے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ جو کچھ بیہودہ پوچ اُن سے صادر ہوا ہے وہ موزوں تک نہیں۔ پڑھنے والوں کے لئے زعفران زار کشمیر ہے انھوں نے جب اپنا دیوان اپنے ہذیانات سے ترتیب دے لیا تو نواب گورنر جنرل بہادر کو ہدیتاً بھیجا۔ اُن کے لئے ایک سامان تفریح ہاتھ آیا اور مولوی سراج الدین صاحب کے پاس جو اسوقت قاضی القضاۃ تھے بھیجا کہ اس کا دیباچہ لکھو۔ چنانچہ تعمیل حکم کے لئے انھوں نے نہایت لطیف اور ظریفانہ رنگ میں دیباچہ لکھا۔ چنانچہ قاضی محمد صادق خاں اختر نے اُس اضحوکہ کو نقل بھی کیا ہے۔ اب چند شعر نمونۃً درج کئے جاتے ہیں۔

الٰہی دانشمندی مراد خدا	الٰہی تو امید دانی ترا
ابر و برق و تجلی و براق نور افشاں آمد	آب باراں کہ حکم خدا نیا بند رعد کہ باراں آمد
خم غدیر را کہ پیغمبر دادہ و ملک داد	خریدار ملک را صلح سرتاج داد
و منصور حلاج بدار و مدار انا الحق گوید	شریعت پیغامبر خدا کہ حق بحق گوید
صاحبقران بجنگ سمرقند نونہال شد	بنیاد جنگ کردہ کہ ایلدرم خوشحال باشد
سلاح جنگ کہ سپر و شمشیر آمد	گولہ توپ و تفنگ کہ بد بلا آمد
صورت نور کہ ارمنی در کلکتہ بسیار	خواب راحت کجا کہ پشہ بسیار
زنان کلکتہ را آب بسیار	گردن صراحی دارد و شراب بسیار

مقرر کردہ عالم بحق کہ از وے شناس	خدا را شناس و خدا را شناس

رنگ - حریف خاں نام عرف مرزا رنگیلے - تذکرہ خمخانہ میں ان کا ذکر مختصراً لکھا ہے مگر یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ کہاں کے رہنے والے ہیں - صاحب تذکرہ مذکور لکھتے ہیں "استعداد علمی رسمی ہے تفنن طبع کے طور پر شعر کہہ لیتے ہیں جس میں بیشتر تمسخر کا پہلو مد نظر رہتا ہے - انتخاب کلام یہ ہے -

سکون اختلاج دل ہوا جس نے اسے پھانکا ۔۔۔ سفوف عاشقی ہے نام خاک کوئے جاناں کا

چالان ترا کیوں ستم ایجاد نہ ہوگا ۔۔۔ کیا خون کا دعویٰ ستم ایجاد نہ ہوگا

وارنٹ میں ہو جائے گا آخر کو گرفتار ۔۔۔ حاضر جو عدالت میں تو جلاد نہ ہوگا

بند آنکھیں ہیں تمھاری اونگھتے ہو رات دن ۔۔۔ یہ تو بتلاؤ کہ افیون اسقدر کھاتے ہو کیوں

گھر بیٹھے دید رخ کی ترے رب جو ہو نصیب ۔۔۔ قد بڑھ کے گھنٹہ گھر کے برابر جو یار ہو

ہمارا یار ہمکو آج ملشکری چٹائے گا ۔۔۔ سنا ہے یہ کہ تل رخسار کا لب کی شکر ہوگی

نہ پوچھو مفلسی کے عقد کا ساماں قاضی جی ۔۔۔ کنوئیں کا اُنکے پانی ہوگا اور سیری شکر ہوگی

رنگیلے - محمد اسمعیل خاں نام تھا - جونپور کے رہنے والے تھے - مگر عرصہ سے اپنے چچا محمد جعفر خاں کے پاس جو مین پوری میں مختار تھے آ رہے تھے - اور اُن کی محرری میں کام کرتے تھے - رنگیلے مرحوم ابتدا میں متین اور عاشقانہ شاعری کرتے تھے - اثر تخلص تھا اور حضرت داغ دہلوی کو اپنا کلام دکھاتے تھے - سنہ ۱۸۹۰ء سے اُن کو ظرافت گوئی کا شوق ہوا - اور رنگیلے تخلص اختیار کیا - اس طرح کے کلام میں بھی فکر نہایت صائب تھی - نہایت اچھے شعر نکالتے تھے - مگر ظرافت ہی میں رنگ قدیم بھی شامل رہتا تھا سنہ ۱۹۲۰ء میں معقول عمر پا کر انتقال کیا - ان کے احباب نے اُن کی یادگار میں ایک بہت بڑا مشاعرہ کیا - اور اس کے اختتام پر ایک قصیدہ جو رنگیلے مرحوم کے قصیدوں میں یادگار قصیدہ تھا - چوکھٹا وغیرہ لگوا کر شعرا کو تقسیم کیا گیا - رنگیلے کا کلام

اگرچہ بہت عالی پایہ نہیں ہے۔ پھر بھی کافی دلچسپ ہے نمونہ کلام یہ ہے۔

ہتھیلی میں نہ اُن کی چھید ہو جائے یہ کہتا ہے
لئے پھرتا ہے قاضی ہاتھ میں کفگیر میخانہ

ہمارے شیخ جی ہٹنے کی اکثر مشق کرتے ہیں
کہیں دیکھ آئے ہیں ہلتی ہوئی زنجیر میخانہ

گمر بندا لکا مستی میں کھلا لنگہ سرک آیا
کہاں اگر کھلی ہے دیکھئے تقدیر میخانہ

کبھی ٹھرا اڑاتے تھے کبھی گودڑ چڑھاتے تھے
جنھیں ہم رند سمجھے تھے وہ نکلے پیر میخانہ

بڑھاپے میں جوانی کا مزا ملنا غنیمت ہے
رنگیلے اب نہ چوکو اب کرو توقیر میخانہ

نسیم صبح کے یا بو بھی کیا فر فر نکلتے ہیں
چمن سے جب ترے گیسو لئے ہنٹر نکلتے ہیں

دہیں پر ہر قدم پر تالیاں فتنے بجاتے ہیں
پہنکر وہ نیا جوتا جہاں چرمر نکلتے ہیں

ترا کوچہ بھی اک ٹھنڈی سڑک ہے سیر و اونکی
ربڑ ٹائر نکلتے ہیں کبھی موٹر نکلتے ہیں

چٹائی اُن کی میرا بوریا دشمن نے سب پھینکے
ہمارے دو گھروں سے آج فرنیچر نکلتے ہیں

مبارک ہوں عدو کو ہلکی ہلکی ٹھسکیاں انکی
سُنا ہے وہ نچانے کے لئے بندر نکلتے ہیں

رنگیلے دوڑتے پھرتے ہیں انکے گول کمرہ میں
انھیں تو وصل میں بھی سیکڑوں چکر نکلتے ہیں

اے شب غم تری صورت پہ خدا کی پھٹکار
دیکھتا ہوں اُسے دنمیں بھی تو ڈر جاتا ہوں

رنگین۔ مرزا سعادت یار خاں نام تھا اور رنگین تخلص کرتے تھے۔ اِن کے والد مرزا طہماسپ بیگ ساٹھ برس کی عمر میں روم سے ہندوستان آئے۔ اور ہندوستان کے مختلف امرا اور رؤسا کی سرکاروں میں ملازم رہے۔ رنگین کی پیدایش قصبہ سرہند میں ہوئی لیکن انھوں نے نشو و نما دہلی میں پائی۔ اور عمر بھر یہیں رہے۔ سیر و سیاحت کا شوق ابتدا ہی سے تھا چنانچہ اسی سلسلہ میں اکثر مشہور مقامات کی سیر کی۔ اشغال کچھ خاص نہ تھے

کبھی تجارت کرکے بسر اوقات کرتے اور کبھی نوکری اور ملازمت اختیار کرتے۔ چنانچہ عرصہ تک مرزا سلیماں شکوہ برادر اکبر شاہ ثانی کی سرکار میں مصاحبین کے زمرہ میں منسلک رہے۔

فن شعر کا شوق ابتدائے عمر سے تھا۔ شاہ حاتم سے مشورہ سخن کرتے تھے طبیعت ہمہ گیر واقع ہوئی تھی۔ متین۔ عاشقانہ۔ ناصحانہ۔ ظریفانہ۔ سبھی قسم کا کلام موجود ہے۔ ریختی کا موجد بعض بعض لوگ انھیں کو کہتے ہیں مگر یہ بات تحقیق سے دور ہے۔ ان کی ریختی میں حقیقتاً عورتوں کی زبان اور روزمرہ جذبات وغیرہ موجود ہیں۔ جان صاحب کیطرح نہ سراپا آوردہیں۔ اور نہ فواحش سے بھرے ہوے ہیں۔ کلیات رنگین کا نام نورتن ہے جس میں چار دیوان موسوم بہ ریختہ۔ بیختہ۔ آمیختہ۔ انگیختہ اور دوسری کتابیں ایجاد رنگین۔ فرسنامہ رنگین نامہ۔ مجالس رنگین وغیرہ موجود ہیں اور انھیں کے ساتھ ایک مثنوی موسوم بہ دلپذیر بھی ہے۔ جو اسوقت کی بہترین زبان ہے۔ نہ صرف زبان بلکہ اس مثنوی کا طرز بیان۔ قصہ کی روانی۔ وغیرہ سب باتیں قابل داد ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسوقت کے تمام باکمال شعرا نے متفق ہوکر اس کی تعریف کی ہے۔ بلکہ جرأت نے تو مصرع تاریخ یہ کہدیا ہے۔ کہ۔ ہے یہ بدر منیر سے بہتر ایک دیوان انگیختہ سراپا ظرافت اور ریختی ہے۔ اسکی نسبت کوئی رائے دینا فضول ہے سب جانتے ہیں کہ رنگین کا درجہ اس بارہ میں اتنا ہے کہ لوگ اُن کو موجد تک تسلیم کرتے ہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ باوجود سب کچھ کہنے کے بھی درجۂ اعتدال سے باہر قدم نہیں رکھتے۔ اور اس صنف خاص میں اپنے تمام معاصرین سے ممتاز ہیں۔ سید انشا نے بھی اگرچہ طبیعت ہمہ گیر پائی تھی مگر سچ یہ ہے کہ وہ ظریفانہ یا ریختی کے رنگ میں رنگین سے بڑھ نہیں سکے۔

واری تری جاؤں نہیں خالق ہی تو خلقت کا	کب مجھ سے بیاں ہووے ذرہ تری قدرت کا
اب آٹھ پہر تجھ سے مانگوں ہوں دعا یہ میں	ہندی کی کبڑے ہو کار نگیں کی نہ چاہت کا

مجھ پہ طوفان نہ رکھ جاہ کا چل دور ددا — جھوٹ سے منہ کا ترے جائیگا اڑ نور ددا
ایک تو شکل ڈرانی سی تری بیجا سی — تس پہ یوں گھور کے دیدے مجھے مت گھور ددا
اس لگانے سے ترے اور بجھانے سے ترے — تیرے تالو میں الٰہی پڑے ناسور ددا
بڑبڑاتی ہے تو کیا صبح کو کل رہ تو سہی — ہڈی ہڈی تری کرنی ہے مجھے چور ددا
دوستوں کو مرے دشمن تو کیا ہے تو نے — اور کیا چاہئے کیا ہے تجھے منظور ددا

رات باتوں میں یہاں تو نے گزاری انّا — صدقے تیرے کسی ڈھب سے اُسے لاری انّا
سوچ اس کا نہ ہو گر مجھکو تو پھر کسکو ہو — جانتی تو نہیں کیا پاؤں ہے بھاری انّا
آٹھ آٹھ آنسو رلاتی ہے مجھے اس کی چاہ — روز و شب بہتے ہیں اشک آنکھوں سے جاری انّا
ہونی جو ہوے سو ہو بندی لے گی شرطی — وصل کی اُس سے زباں ہے تو میں ہاری انّا
اُٹھتے ہی صبح کو اڑ جاتی ہے نگین کے پاس — کہیو حسب حال مرا میں ترے واری انّا

چلو چل کر قطب صاحب میں جھولا ڈالکر جھولیں — دگانا مینہ برستا ہے مہینہ ہے یہ ساون کا
کروں قربان میں شلوار کو جالی کی کرتی پر — دگانا مجھ سے اُٹھ سکتا نہیں ہے بوجھ دامن کا
ہلا کر سر کیا کر بات تو مجھسے نہ ہنس ہنس کر — زناخی مارتا ہے مجھکو ڈورا تیری دل کا
جوانی سے وہ پھل پٹے الٰہی حف نظر میری — وہ کون انسان ہے جو غش نہیں نگین کے جوبن کا

کل جو مغلانی نے سی دیکے مروڑی انگیا — ہو گئی تنگ پہ چھاتی سے نگوڑی انگیا
لے گئی کھول کے تو شب کے دگانا ساری — ایک بھی میرے پہننے کو نچھوڑی انگیا
ٹھیک کچھ گات پہ یہ ہے نہیں بی مغلانی — تنگ اس سے بھی ذرا سیجو تھوڑی انگیا

نیند آتی نہیں کمبخت دوانی آجا — اپنی بیتی کوئی کہہ اپنی کہانی آجا

ہاتھ پر تیرے یہ کسکے ہیں چھلّے کا داغ — دی ہے یہ کسنے تجھے اپنی نشانی آجا

بال ماتھے کے جو ڈوروں سے لیئے ہیں تونے — شکل لگتی ہے بُری آج ڈرانی آجا

غم ہے رنگیں کو نہ پیر اپنی آسکے پیچھے — مفت برباد ہوئی میری جوانی آجا

دُگانا کو اور مجھکو دیکھا جو لیٹے — تو پھر کیا گرج کر ہوا بھوت خوجا

غضب ہے کہ رنگیں کا دل پھاڑنے کو — نیا روز کرتا ہے کرتوت خوجا

دائی تھی چھٹی گھر اُسکے میں کل چور پڑا — ہوئی باجی وہ فضل چور کے گھر مور پڑا

دن دہاڑے جو چلی آئی تو میرے گھر میں — کل دُگانا ترے آنے سے بڑا شور پڑا

کوڑھ ہین سے جو ددا تونے لگائی مہندی — تو ہتھیلی میں مری دیکھ لے یہ چور پڑا

تیری خاطر کروں کبتک میں دگانا پیاری — قہر اُس بات کا لیکا تجھے در گور پڑا

ہونٹ کو اپنے ددا تونے بنایا ہے جونک — کیا مری چڑ ہے دھڑے کا یہ جمانا تیرا

شب کو اس حبشی بچہ نے یہ غضب لا کیا — چھپ کے مجھسے منہ دگانا کا مری کالا کیا

حف نظر کو کا جو میری تھی جواں چوتھی کے بعد — پیٹ اُسے جب رہ گیا تب دوسرا چالا کیا

کون ایسا ہے ددا جسپر کہ اتراتی ہے تو — کوئی پیدا کیا نیا پھر چاہنے والا کیا

اے ددا کس سے کہوں رنگین کی چھل بازیاں — بیر ددڑانے میں اس نے بات بنگالا کیا

میرے گھر میں زناخی آئی کب — میں نگوڑی بھلا نہائی کب

صبر میرا سمیٹتی ہے وہ — شب کو بولی تھی چار پائی کب
کل زناخی تھی میرے پاس کدھر — اوڑھے بیٹھی تھی میں رزائی کب
وہ نبختی تو گھر میں اپنے نہ تھی — پاس اُس کے گئی تھی دائی کب
دوڑی لینے کو میں اُسے کس دم — پاؤں میں میرے موچ آئی کب
کھانا کھایا تھا میں نے اُس نے کہاں — اور منگوائی تھی ملائی کب
کی تھی شب میں نے کس جگہ کنگھی — آرسی اُسنے تھی دکھائی کب
ہرگز آتی نہیں ہے سانچ کو آنچ — پیش جاوے گی یہ بُرائی کب
گوندھ کر ہاتھ پاؤں میں رنگیں — اُسنے مہندی مرے لگائی کب

تجھسے ملنے کا رونا مجھے ارمان ہو نوج — تو ہے بے دید ترے گھر کوئی مہمان ہو نوج
ناک میں دم تھا چھڑایا ہے خدا نے انّا — عشق کے بند میں پھر بند مری جان ہو نوج
انٹھلا میں نے اُسے سخت کڑا ہے رنگین — اے دوا جان کوئی ایسے کے قربان ہو نوج

بھاتا نہیں ہے مجھکو گنواری ازاربند — جا کر دوا وہ پچھے کا لاری ازاربند
ہمسائی پر یہ وقت پڑا ہے کہ تیس دن — بُن بُن کے بیچتی ہے بچاری ازاربند
ڈھیلی گرہ لگاؤں تو آنا یہ کہتی ہے — آیا نہ باندھنا تجھے واری ازاربند
باندھوں جو پیچ کھینچ کر تو یہ کہتی ہے وہ مجھے — کیا کس کے باندھتی ہے تو پیاری ازاربند

زہر کر دیتی ہے وہ کھانے کو لاکر مجھسے وز — آج سے میں ساتھ اُسکے کھانا کھاؤں دو رپار
کیا گئی گزری ہوں میں ایسی کہ جاؤں دوڑ کر — اور منا کر ساتھ اپنے اسکو لاؤں دور پار
ہو وہ دن ناپید جس دن بھیجکر دائی وہاں — واسطے اپنے کچھ اس سے میں منگاؤں دور پار

اُس نے ہمسائے میں آ کر گھر لیا تو کیا ہوا — اب اُسے آواز میں اپنی سناؤں دور پار
دلپہ میرے نقش ہیں رنگیں کی ساری شوخیاں — اُسکی بھجوائی ہوئی مہندی لگاؤں دور پار

کروں میں کہاں تک اُدارات روز — تمہیں چاہیئے ہے وہی بات روز
کہاں تک سنوں کان تو اُڑ گئے — تری سنتے سنتے حکایات روز
گئے ہیں مرے گھر میں سب تجھکو تاڑ — کیا کر نہ رنگیں اشارات روز

کرتی جالی کی مجھے بھاتی ہے ہلکی ہلکی — کیوں مرے واسطے باجی نے سلائی پشواز
تو دوا ایک ہے اللہ رے ادھر فت باز — قادری مانگی تھی تو دوڑ کے لائی پشواز
رشک سے مُنہ پہ بسنتی کے گئی پھول بسنت — میں نے رنگیں یہ بسنتی جو رنگائی پشواز

اتنی بندی نہیں ہے چاہ سے خوش — جتنی گوئیاں کی ہے نباہ سے خوش
تیس دن میں کسی سے ملتی نہیں — ہوں ملاقات گاہ گاہ سے خوش

وہ جو آوے مرے گھر میں تو مجھے جاوے لوٹ — جاؤں گھر اُسکے تو مجھسے کرے وہ پان دریغ
دل کی میں سادی تھی کمبخت کر اُس سے آنا — نہ کیا میں نے تو مال و دل و ایمان دریغ
آج رنگیں کو بلاتی ہوں میں اور گھر میں مرے — کچھ مہیا بھی نہیں عیش کا سامان دریغ

مجھکو اس بات کا نہیں ہوکا — بندی رکھتی ہے گاہ گاہ کا شوق

اب میرے دگانا کو مراد ہیاں ہے کیا خاک — انسان کی انا اسے پہچان ہی کیا خاک

کشتی میں کپتی تیل کی انا انڈیل ڈال — سوکھے ہیں بال سر میں مرے آگے تیل ڈال
یارب شب جدائی تو ہرگز نہ ہو نصیب — بندی کو یون تو چاہے تو کولھو میں پیل ڈال

شوق تجھ کھوج میں کو جو ہے اس بات سے کم — بولتی مجھ سے دوگانا ہے بہت رات سے کم
مان کرتی ہے عبث اپنے وہ جوبن پہ دوا — گات میری بھی زناخی کی نہیں گات سے کم
بھیجتا روز ہے رنگیں مجھے پیغام سلام — اور میں آگاہ ہوں اس حرف و حکایات سے کم

کوئی پیس کر خوب سی لال مرچیں — ترے دونوں دیدوں میں بھر جائے آتوں

گر کہے گی مجھسے کچھ منہ پھوڑ کر باجی تو پھر — ٹھنڈی کر ڈالوں گی میں ہاتھوں کی ساری چوڑیاں
اب ہوس باقی نہیں رنگیں کہ میں سنے بارہا — پہنیاں ہر رنگ کی ہیں بھاری بھاری چوڑیاں

شفقلین یوں چڑھیں نظر میں تمہاری گیاں — اور میں کوٹھے سے اسطرح اتاری جاؤں

یوں بولتی ہوں پڑا پڑا خاک چاٹ کر — گوئیاں کیطرح جھاڑو کی تیلی نہیں ہوں میں
ہیں حرفتیں بھری مری رگ رگ میں کوٹ کر — رنگیں تری طرح سے رنگیلی نہیں ہوں میں

اب تجھ سے خدا سمجھے تو ہے زہر کی اک گانٹھ — تجھ پر کہیں ٹکی پڑے درگاہ کی گوئیاں
ہے دل میں ہوس اپنے تو رنگیں کی ہوس ہے — خواہش ہے نہ دولت کی نہ کچھ جاہ کی گوئیاں

طبیعت چاہتی ہے اس کو میری — کھنچی اس سے بھلا کب تک رہوں میں

چمٹتا ہے وہ سو سو بار آکر　　بچی اس سے بھلا کب تک ہوں میں

جو ہونی تھی سو بات ہولی کہارو　　چلو لے چلو میری ڈولی کہارو
بچھڑ جاؤ نگری سے مرجاؤ سارے　　لگے تمکو ایسی ہی گولی کہارو
چلو ہولے ہولے دھمک سے نہ ٹھنستی　　گئی سب مسک میری چولی کہارو
مرے مغز کے بس اڑا دو نہ کیڑے　　سناؤ نہ اپنی یہ بولی کہارو
الٰہی کرے نکلے تالو میں گلٹی　　یہ جیسی زباں تم نے کھولی کہارو
جو ہیں اُتری ڈولی سے میں وہیں تمنے　　پٹاری مری سب ٹٹولی کہارو
ذرا گھر کو زنگیں کے تحقیق کرو　　یہاں سے ہے کے پیسے ڈولی کہارو

تو تو محرم نہیں مت ہاتھ لگا چھاتی کو　　سخت بیرحم ہے تو اوہی مریجان گئی
بولے وہ آدگے کب میں نے تب اُنسے کہا　　بندی ہرگز نہیں اب تک کہیں مہمان گئی
ٹیس پیڑو میں اُٹھی اوہی مریجان گئی　　مت ستا مجھکو دوگانا ترے قربان گئی
تجھسے جب تک نہ ملی تھی مجھے کچھ دکھ ہی تھا　　ہاتھ ملتی ہوں بُری بات کو کیوں ٹھان گئی
زہر لگتی ہے مجھے تیری یہ جھتل بازی　　یاں ترے آنے سے باجی تجھے پہچان گئی
تیرے زنگیں سے کہیں آنکھ لڑی پر سچ کہہ دے　　کچھ تو گھبرائی ہوئی بھرتی ہے اوسان گئی

شکل باجی کی جو یاد آتی ہے　　تو اجی روح نکل جاتی ہے
کھو جڑا جائے مری آنکھوں کا　　نیند کیوں اِن کو نہیں آتی ہے

آج دروازے پہ نوبت جو دھری جاتی ہے　　میری کو کالی اجی گود بھری جاتی ہے

میری چھوچھو کی اجی کوئی بڑھا دے شلوار　　بوجھ سے اسکے نبھی وہ مری جاتی ہے
سامنے سے مری کوکا کے پرے ہٹ دائی　　تیری صورت سے وہ ڈر پوک ڈری جاتی ہے
میری پروا نہیں رنگیں کو اری انّا جان　　اُسکے پاس ایک نئی روز پری جاتی ہے

کل وہ لشکر کو سدھارے گا سنا ہی میں نے　　جا کے لا دے تو مجھے اسکی نشانی باندی
اور تو کیا کسی لوٹے سے تجھے دوں گی بلا　　لائے گر اُس کا تو پیغام زبانی باندی

اتنا بڑا ہی مسا ہے اک اُسکی ناک پر　　جتنی بڑی وہ مری انگلی کی پور ہے
شاید کہ ہو گیا ترا میٹھا برس شروع　　کوکا کچھ ان دنوں تری چاہت کا شور ہے

میں تو وہ اوڑھنے کی نہیں کل کی اوڑھنی　　باجی مجھے اوڑھا دو جھا جھل کی اوڑھنی
بھیجا ہے گوٹ کا یہ دوپٹہ مجھے چہ خوش　　اور آپ اوڑھ بیٹھیں سلسل کی اوڑھنی
گرمی کے مارے ناک میں آیا ہے دم مرا　　انّا اوڑھا دے لاکے کوئی ہلکی اوڑھنی
برسات اسکو کہتے ہیں حجی جس بہار میں　　سر پہ ہوا کے ہوتی ہے بادل کی اوڑھنی
پہونچی لچک کمر کو ارے لوگو دوڑیو　　کولے تلک جو سر سے مرے ڈھلکی اوڑھنی
بھاری بنت منگا دے کہ سر پر لگاؤنگی　　سر پہ مرے ٹھہرتی نہیں ہلکی اوڑھنی

پھنسا دیا ہے مجھے رنگیں کے دام میں ناحق　　کٹے الٰہی کرے ناک میری دائی کی

تھوکتا بھی تو نہیں ہے مردوا اسکو کوئی　　اتنا اتراتی ہے جوبن پر دوا کس واسطے
ریختی کہنی اجی رنگیں کی یہ ایجاد ہے　　منھ چڑاتا ہے موا انشا جیا کس واسطے

اے بوا میں کیا کروں سنڈی رحیماً کے لئے — میری جوتی سے جو وہ بھرتی ہو گدرائی ہوئی
اے ذرا پنچلے تو بیٹھو کوئی دیکھے گا اگر — رکھی رہجائیگی یہ اڑہی جو رسوائی ہوئی
دولھا بھائی آرہے ہیں لکھنؤ سے شام کو — باجی آج آپا ہیں کچھ جھکی سی شرمائی ہوئی
شیریں سے کہنے لگے فرہاد بھیا ایک دن — یہ تو بتلادو کہ کیوں پھرتی ہو اٹھلائی ہوئی

کہیں کنجڑے کہیں بھنے کہیں مہنہار بیٹھے ہیں — جدھر دیکھو اُدھر ہی عاشق بدذات بیٹھے ہیں

ریاض - منشی ریاض احمد نام ہے خیرآباد ضلع سیتاپور کے رہنے والے ہیں منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کے شاگرد ہیں اسوقت ستر بچھتر برس کی عمر ہے - راقم الحروف کے حال پر نہایت عنایت فرماتے ہیں اور میں بھی اُن کو بمنزلہ بزرگ مانتا ہوں - ریاض ایک زندہ دل نیک طینت خوش وضع انسان ہیں - آپ کی شاعری رنگ قدیم میں نہایت بہتر ہے بلکہ میرے نزدیک داغ کے رنگ کو ریاض سے اچھا کہنے والے منشی امیر احمد کے شاگردوں میں بجز حضرت ریاض کے کوئی صاحب نہیں ہیں - ممکن ہے کہ یہ بات اُن کے لئے قابل افتخار نہ ہو مگر پھر بھی زمانہ اسکی قدر کرے گا - اور کرتا رہا ہے -

زمانہ حال میں شاعری کی دنیا بدل گئی ہے - اور اب طبیعتوں کا رجحان الفاظ کی تراش خراش - ترکیبوں اور بندشوں - سوز وگداز غیر فطری کی طرف زیادہ ہے - مگر ریاض کے یہاں قدامت کے ساتھ وہ انبساط وہ شوخی وہ شگفتگی وہ دل کشی اور رندانہ مضامین کی بذلہ سنجی کی افراط ہے کہ زمانہ نے اُن کی شاعری کو خمریات ریاض مطائبات ریاض کے نام سے شائع کرنا شروع کیا ہے - اور آج میں اُن کے اشعار کی شوخی ظرافت آمیز دیکھکر اپنے تذکرہ میں ان کا خمریاتی رندانہ - معاملہ بندی کا رنگ لکھنے اور اس تذکرہ کے لئے انتخاب کرنے پر مجبور ہوں - ہر چند بعض حضرات کے لئے یہ ایک جرأت غیر معمولی سمجھی جائے گی مگر مطائبات ریاض

نکلا عید کا چاند جو گھر سے شکر دالا نکلا آج — کیوں نہ پھروں میں اپلی گھپلی اوڑھے پڑا لا نکلا آج

مجھکو روتا دیکھکر بولی دوا زاری نگر — تیرے صدقے ہوکے مرجاؤں میں جی بھاری نکر

ہر مہینے میں کڑہاتے تھے مجھے پھولے کے دن — ہائے اب کے تو مجھے ٹل گئے سمول کے دن

اب کے یہ عہد ہے کہ جو بارہ وفات ہو — تو میرے اور تیرے دوگانا وہ بات ہو

دل ہو خون اور حنا کو بھاگ لگے — اس تری منصفی کو آگ لگے

رونق سید محمد محسن نام ہے تکیہ ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں بچپن ہی سے شاعری کا شوق ہے۔ چھ سات برس ہوئے جب بغرض امتحان کے لکھنؤ آئے تھے تو مجھسے ملے تھے پانچ غزلیں بغرض اصلاح دکھائی تھیں۔ اب عرصہ سے معلوم نہیں کہاں ہیں۔ عاشقانہ اور ظریفانہ دونوں رنگ کے شعر کہتے ہیں۔ طبیعت میں شوخی ہے۔ اگر اسی طرح کہتے رہے تو کسی وقت بہت اچھا کہنے لگیں گے۔ چند شعر ظریفانہ رنگ کے نمونتاً درج کرتا ہوں۔

مسند عمر بھاگا ہے اگاڑی نے پچھاڑی ہے — زمیں سونگھے گا آگے چلکے اک گنجان جھاڑی ہے

حرم سے شیخ نکلے ہیں غٹر غوں کی صدا دیتے — مگر نظریں حسینوں پر ہیں اور ہاتھوں میں اڑی ہے

نگوڑے عاشقوں کا آج سر کاٹینگے وہ شاید — اپنے آبا دیں بیٹھے ہیں ہاتھوں میں کلہاڑی ہے

وہ ڈھیچوں ڈھیچوں کرتے ہیں گوئے ناز میں آگے — محلہ والے کہتے ہیں گدھا کوئی پہاڑی ہے

لو وہ آتی ہیں بوا امّن کی بھڑکائی ہوئی — ہائے دیّا کیا کروں میری تو رسوائی ہوئی

میرے گھر شل تبرک کے یہ ساماں نکلا — آستیں قیس کی فرہاد کا داماں نکلا

نیچی داڑھی نے آبرو رکھ لی — قرض پی آئے اک دکان سے آج

کوئی منہ چوم لے گا اس نہیں پر — شکن رہ جائے گی یونہیں جبیں پر

جناب شیخ نے جب پی تو منہ بنا کے کہا — مزا بھی تلخ ہے کچھ بو بھی خوشگوار نہیں

حنا لگا کے بہت بجتے ہیں مگر خو نہیں ریاض — کچھ ان کی ریش مبارک کا اعتبار نہیں

یہ اُلجھے ہیں رندوں سے کیوں شیخ صاحب — بڑھاپے میں کیوں داڑھی رنگوائے ہے ہیں

اک ٹیٹ ٹاری زدہ سے زاہد کے لے ریاض — اب ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں

بوتل کا کاگ زور میں توبہ کو لے اُڑا — ہم گل چلوں کے ہاتھ کی گولی رکی نہیں

کریں گے کیا نہ کریں گے جو مے سے ہم توبہ — کہ اب دکان سے ملتی ادھار بھی تو نہیں

شیخ صاحب کیا چھپا کر لے چلے رومال میں — کچھ نہ کچھ حصہ رہے یاروں کا بھی اس مال میں

اے ریاض آئے پیالہ بھی بہتے ہیں بایں ریش سفید — ہائے یہ نور کی مشکل اور سیہ کاروں میں یہ

ہم بند کئے آنکھ تصور میں پڑے ہیں — ایسے میں کوئی چھم سے جو آجائے تو کیا ہو

اٹھوا دو مینز سے مو ساغر ریاض جلد — آتے ہیں اک بزرگ پرانے خیال کے

دلائے یاد جو وعدے تو بولے جھنجھلا کر — یہ اور حشر میں لینے کو آبرو آئے

ریاض آئے تو لوگوں نے میکدے میں کہا — کہاں یہ آج بزرگ فرشتہ خو آئے

ہماری نظر حشر میں شیخ پر تھی — وہ سر پر لئے حوض کوثر نہ نکلے

اہل حرم میں جا کے بنا آج شیخ وقت — کافر ریاض پیر کلیسا کہیں جسے

آئے میخانے میں جب مسجد جامع سے ریاض — ساتھ ہی آپ کے قبلہ سے گھٹا بھی آئی

عمر کیا ہے ابھی کم سن ہیں تنہا لیٹیں — سو رہیں پاس مرے خواب میں ڈرنے والے

خم مسجد میں مے ناب بھر کے چار ڈونگیں — ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے گھڑے ڈالے

واعظ انگور میں ہے دختر رز بے نقاب — آنکھیں پھوٹیں جو ادھر تاک لگائے کوئی

محرومی بیسری تذکرہ کی ناکامی کا باعث ہوگی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے ریاض کی شاعری پر یہ رائے قائم کی ہے اور یہ ضرور ہے کہ سچے عشق کی تصویریں اُن کے ہاں کم ملتی ہیں۔ بلکہ اُس کے برخلاف بعض بعض شعر غزل میں ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو بد اخلاقی کا محرک کہنا نازیبا ہے اور یہ بات اصول شاعری کے خلاف ہے۔ یہ ایک معاصر تذکرہ نویس کی رائے ہے مگر مجھپر فرض نہیں کہ میں اُس کا اتباع کروں۔ میں ریاض پر یہ کوئی الزام نہیں رکھتا۔ البتہ البتہ جن شعروں میں ان کی فطرتی شوخی نے اعتدال سے باہر قدم رکھا ہے اُن کے مہذب اور شستہ ظرافت کے دائرہ میں لاتا ہوں۔ وہو ہذا۔

نہ آیا ہمیں عشق کرنا نہ آیا ۔۔۔ مرے عمر بھر اور مرنا نہ آیا

مے چرانے میں ہمیں ید طولیٰ کیسا ۔۔۔ ہم اڑا لائے سبو آج اچھوتا کیسا

جائیے جائیے ہم حشر میں ملنے کے نہیں ۔۔۔ آئیے آئیے اب وعدۂ فردا کیسا

قرض لایا ہے کوئی بھیس بدلکر شاید ۔۔۔ مے فروشوں کا ہے واعظ سے تقاضا کیسا

جب یہ مل جائیں کلیجے سے لگا لے ان کو ۔۔۔ اِن حسینوں سے کسی بات کا شکوا کیسا

شوق سے میں نے رہ عشق میں کاٹے ہیں پہاڑ ۔۔۔ کوہ کن ہو تو ہوں میں کوئی مزدور نہ تھا

صدقے صبح وصل کے شکوا مرا جاتا رہا ۔۔۔ اُن کا شکوا رہ گیا میرا گلا جاتا رہا

دست شفقت اسطرح اک رند نے پھیرا ریاض ۔۔۔ بیٹھ کر یاد خدا میں جھومنا جاتا رہا

یہاں وہ لے دے ہوئی آکر کہ الٰہی توبہ ۔۔۔ ہم سمجھتے تھے کہ محشر میں تماشا ہوگا

یہ دن ہے حشر کا ہو کر رہیگا وہ جو ہونا ہے ۔۔۔ ارے جھوٹے کچھ اب قول و قسم سے ہو نہیں سکتا

چھپ کے راتوں کو کہیں آپ نہ آئے نہ گئے ۔۔۔ بے سبب نام ہوا آپ کا روشن کیسا

مے چھین کر کسی سے جو پیتے تو تھی خطا ۔۔۔ جب جام دیکھے پی گئے گنہ کیا کسی کا تھا

یہ اپنی وضع اور یہ دشنام مے فروش ۔۔۔ سنکر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا

چُن چُن کے آج شیخ نے انگور کھالئے ۔۔۔ اب کیا رہا ہے تاک کا حاصل نکل گیا

ہمارا عیب کھلتا ہے تو کھلتی ہے چھپی بوتل
ہمارے کام کیا کیا جامۂ احرام آتا ہے

عادت وہ بُری شے ہے جو کھانے کو ملا بھی
پے مے کے مرے حلق سے اترے نہ نوالے

شیخ صاحب برائیاں مے کی
اور جو کوئی چھینٹ کی آجائے

کاتب اعمال نکلے کام کے
مل گئے دو دو شریک الزام کے

پاس آداب بزرگی ہے بایں وضع جنوں
جب چلے ناصح جھکے ہم بندگی کے واسطے

اُتر گئی سر بازار شیخ کی پگڑی
گرہ میں دام نہ ہونگے ادھار پی ہوگی

شیخ جی گر گئے تھے حوض میں میخانے کے
ڈوب کر چشمۂ کوثر کے کنارے نکلے

بانس پر میکدہ میں تجھکو چڑھایا اے شیخ
پھر بھی اونچے تری مسجد کے منارے نکلے

یہ کیا مذاق فرشتوں کو آج سوجھا ہے
ہجوم حشر میں لے آئے ہیں بلا کے مجھے

چھیڑ کر مجمع زہاد کو ڈرتا ہوں ریاض
کہنہ مسجد کے عوض ہو نہ مرمت میری

شیخ نے مانگی ہے اپنی عمر کی
میکدے سے اب پرانی جائیگی

حرف زا

زاغ - یہ تخلص تھا جناب منشی محمد مبین صاحب نازش بدایونی کا - ابتداے شباب
میں کچھ اپنے جوش کچھ احباب کی فرمائش - کچھ ضرورت زمانہ کچھ امرا کے خوش کرنے کے لیے ظرافت
کے رنگ میں بھی شعر کہتے تھے - اور بعض شعر اس رنگ میں بیمثل اور لاجواب ہوتے تھے - اب
ظرافت گوئی بالکل ترک کردی ہے - مگر متین اشعار میں رندانہ شوخیوں کی جھلک باقی ہے
نازش ایک پختہ مشق زود گو اور پرگو شاعر ہیں لیاقت اُردو فارسی بقدر ضرورت شعر بہت
کافی ہے - نثر نویسی میں بھی کافی مہارت ہے - حتیٰ کہ بعض اخبارات اور رسائل کے آپ
ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں - اور اب بھی یہ مشغلہ جاری ہے - آپ کی تصنیف سے کئی ایک ناول اور
دوسری نثر کی کتابیں بھی ہیں - ایک دیوان جو انواع سخن سے لبریز تھا - اتفاق سے ریل
کے سفر میں گم ہوگیا - مگر انھوں نے محض حافظہ کی مدد سے کام لیکر دوبارہ اس کو جمع کرلیا
مزاج میں ایک قسم کی شوریدگی بھی ہے - اور رنگینی بھی - قوت واہمہ زیادہ ہے - حتیٰ کہ بعض
اوقات معمولی معمولی باتوں پر الجھ جاتے ہیں - اور پھر مدتوں اس شخص سے صاف نہیں ہوتے
دہلی میں زیادہ تر قیام رہا - اب عرصہ سے لکھنؤ میں مقیم ہیں مگر پھر بھی جب جی چاہتا ہے بریلی
کان پور - دہلی چلے جاتے ہیں اور مہینوں واپسی کا نام بھی نہیں لیتے مرزا غالب کے پیرو ہیں
اور اپنے تلمذ کو مرزا کے نامور شاگرد حضرت زکی مرحوم سے منسوب کرتے ہیں - مجھسے عرصہ سے
ملاقات ہے - مگر پھر بھی اکثر باتوں پر خفا ہوجاتے ہیں - اور ہموار کرنے میں بڑی دقتوں کا
سامنا ہوتا ہے - کلام ظرافت کے لئے میں نے بہت کچھ خوشامد کی مگر وہ کسی طرح کلام
دینے پر راضی نہ ہوے - آخر کار جناب نواب علی حسین خاں صاحب برق شاہجہانپوری کے

جو ایک وقت میں ان کے حریف ظریف رہے ہیں تھوڑا سا کلام مل گیا - جو درج کرتا ہوں -
نازش کی عمر اسوقت تخمیناً پچاس برس کی ہوگی - مگر طبیعت میں جوانی کی شوخی اور دل میں اوائل
شباب کی امنگیں باقی ہیں - تاہل اور خانہ داری کے مخمصوں سے بالکل آزاد تنہا گوشہ عافیت
میں زندگی بسر کرتے ہیں - نمونہ کلام یہ ہے -

مٹی سے سوزن ظلمت سے لیلئ شب نے — ازار صبح کی میانی اُدھڑ گئی ہوگی
رقیب ناچے گا لکڑی کے بل سر محفل — جو اُن کے دست مبارک میں ڈگڈگی ہوگی

سنڈاس کی بدبو کا فغاں میں اثر آئے — نالوں میں مرے نگہت گوزشتر آئے
مجھسے وہ یہ کہتے ہیں کہ کیوں میرے گھر آئے — جوتہ سے خبر لوں گا جو اب کے اِدھر آئے
بھنگن پہ طبیعت کبھی دھوبن پہ طبیعت — اے حضرت دل آپکے دشمن کدھر آئے
گرگٹ کو جو یاروں نے بڑے غور سے دیکھا — نیرنگی عالم کے کرشمے نظر آئے
دکان دل عاشق صراف پہ کل وہ — دینے کے لئے مرہم داغ جگر آئے
بسکٹ نہ سہی نان خطائی ہی دکھلا دے — مدت میں ترے عاشق خستہ جگر آئے
وہ مانگتے ہیں زاغ کے آنے کی دعائیں — اُڑتا ہوا اللہ کا مارا ادھر آئے

لاش پر سادہ مزاجوں نے ملا کا قورمہ — زاغ بگلا بن گیا میت پہ ڈھیروں نور ہے
پاک نیت سے رخ روشن کا نظارہ کرو — غیر کو بھیا بنا لو یہ ہمیں منظور ہے

ہم در حسن پہ کیوں ڈاٹ لگائیں صاحب — واہ اچھی کہی یہ کام ہے معماروں کا
ضبط ہو جائیگی شمشیر ادا تیغ نظر — آپ لیسنس نہ رکھینگے جو ہتھیاروں کا
سن کے یہ بات کہ ہے اُنکی سواری میں گدھا — چرخ چارم پہ دماغ آج ہے گھسیاروں کا

میرٹھی مُلا سے یہ پوچھے کوئی کیا زبانِ زاغ ٹکسالی نہیں

زانی۔ دکن کے ایک مشہور ہزال تھے۔ میر غلام حسین افسق بُرہانپوری انھیں کے شاگرد تھے۔ گیارہویں صدی ہجری کے شاعر تھے۔ کلام باوجود تلاش بھی دستیاب ہو سکا ایک مرتبہ ایک شخص سے کچھ شعر سُنے تھے اب وہ شخص بھی نہیں۔ مجبوراً خاموش ہوتا ہوں۔

زبیٹر۔ سید باقر حسین نام ہے۔ سُنا ہے کہ مشک گنج لکھنؤ میں قیام ہے۔ نہایت قابل اور فاضل شخص ہیں گو مجھ سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ مگر سنا ہے کہ پچاس پچپن سال کی عمر ہے ایک غزل مطبوعہ نقل کرتا ہوں باقی کلام ایک صاحب سے زبانی سُنا تھا اور لکھ لیا تھا۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔

ہے جگر بے رحم کے سینہ میں سنگیں دل کے پاس — سنگ خارا کی ہی یا رکھی ہوئی سِل سِل کے پاس

یار نے پائے ہیں کیوں پلے اگر جاتے ہیں ہم — پھونکتے ہیں اور چلے آتے ہیں سب پل پل کے پاس

ناک کے پہلو میں مستہ گال پر ہے یار کے — اک پہاڑی مرچ رکھی ہے سیہ فلفل کے پاس

کیا بتائیں حسرتیں کس کس جگہ ہیں جاگزیں — دل کے اوپر دل کے نیچے دل کے اندر دل کے پاس

یوں چمکتا ہے دہن پر ناک میں اُن کا بلاق — آگیا بیتال ہے گویا چہ بابل کے پاس

گر طلسم اختلاج قلب مانگا بوسے وہ — یہ سلیپر پیری انکالے تو اپنے دل کے پاس

ہے جبیں پر شکن کے نیچے یہ لمبی سی ناک — یا کھرل کا رکھدیا نیچر نے بٹہ سل کے پاس

پھرتا ہے اسوقت زبیٹر اُس کے رخ کے ارد گرد — گھومتا ہے یا چکورا سدم مہ کامل کے پاس

جب تلک اُس دست نازک کی ہوا کھائی نہ تھی — گُدہ گاہ شیخ جی منت کش نائی نہ تھی

بے سبب کس واسطے پھسلا مرا پائے نظر — سبزۂ خط عارضِ جانانہ پر تھا کائی نہ تھی

کون کہتا ہو کہ غالب کی اندھیری قبر میں ... کاد کاو سخت جانیہائے تنہائی نہ تھی

سر میں جوئیں ہیں اُن کے آہو ہیں ختن میں ... یا ننھے ننھے ہاتھی پھرتے ہیں کجلی بن میں

زیرک۔ گوبند رام نام تھا ایک کشمیری پنڈت تھے جو لکھنؤ میں رہتے تھے۔ شعر و شاعری سے انتہائی ذوق تھا اور فن شعر کے نہایت اچھے جاننے والوں میں تھے۔ ایک مرتبہ محمد علی حزیں نے کشمیریوں کی ہجو میں ایک قطعہ کہا تھا اتفاق سے وہ قطعہ زیرک کی نظر سے بھی گزرا انھوں نے اُس کے جواب میں بہت سے قطعے کہے چند شعر حزیں کے قطعہ کے اور کچھ شعر زیرک کے قطعے کے تفریح طبع ناظرین کے لئے نمونتاً لکھے جاتے ہیں۔

اشعار قطعہ حزیں

شرح قومی شنو از من کہ ندارند نسب ... ادب و شرم و حیا غیرت از ایشاں مطلب

ہمہ حمامی و دلاک بود اعلا لش ... مابقی دلہ و سادہ دگر ارباب طرب

در حسب نامۂ شاں از ہمہ خلق جدا ست ... در نجابت بعز ازیل رسانند نسب

کس ندیدہ بوطن مردن کشمیری را ... در جہاں چوں صفت رندروان است طلب

یک ازیں قوم ندید است و نوبت کشمیر ... بر نگردد چو ز سوراخ بر آید عقرب

پے یک حبہ دوانند شتابان بدمشق ... نزد ایشاں دو قدم راہ بود تا بہ حلب

بے سبب نیست اگر دوستی اظہار کنند ... بعداوت چو درآیند مجوئید سبب

در محبت چو ذباب و بمروت زنبور ... بسخاوت چو غراب و بہ شجاعت ارنب

جز دو نظمے کہ کند خامۂ آنہا تحریر ... ہمہ مرج و سالم آنرا ہمہ بینی اخرب

گر کشند از تن زارت چو سپش خوں چہ عجب ... ور بر اندازد کفت ایماں چہ بعید و چہ عجب

کفش و پاجامہ نماند بہ یکے از عجمے　　لنگ و عمامہ تمامی بردازاہل عرب
تانمی زاد ز دنیائے دنی کشمیری　　کاش این قحبہ ستروں بدی ابلیس غرب

جواب زیرک

شیخ شیطاں کہ حزین نام وخطابش آمد　　در سخن یافتہ ریں جز و زماں تا منصب
بیحیا آب نہ در چشم و نہ بر رو دارد　　خاک او ساخت مخمر زپے خجلت رب
قلتباں چوں نہ دہد حق عروساں ساماں　　سیہاں جفتہ زنانند بجوالبش ہر شب
ہمچو پیکان سر دلش غیر دل آزاری نیست　　چوں کماں خم نشود پیش کسے جز مطلب
خانہ اش نے بہ فلک ہست نہ بروے زمیں　　ہر بسر خانہ براندازچو راس است ذنب
ساکن دیر شد و زائر بتخانۂ ہند　　غور کن بودن او را بہ بنارس چہ سبب
کیست در شیطنت اے شیخ بگو استادت　　کہ عزازیل بود پیش تو طفل مکتب
فتنہ بازاد بہ ایراں ز وجودت شاید　　مادرت ام خبائث شد چوں بنت عنب
چوں تو موذی نبرد راہ دگر رہ بوطن　　روے سوراخ نہ دیداست و نوبت عقرب
حرف بد جز بہ زبان و لب بد کے آید　　بد اگر در حق نیکاں تو بگوئی چہ عجب
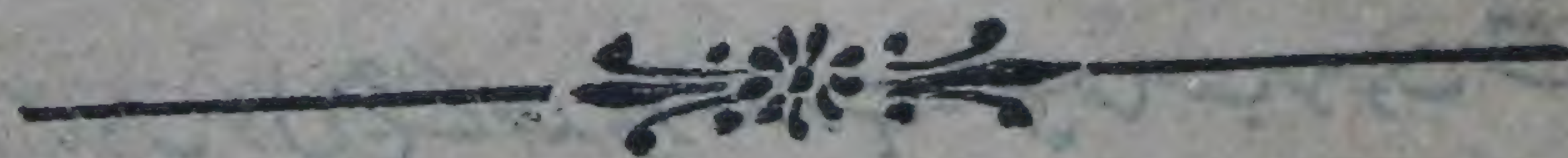
بتلاش معاش فیض آباد گئے۔ اور وہاں فوج میں اردو پڑھانے پر مقرر ہو گئے۔ لیکن طبیعت کو اس کام سے بھی کوئی خاص لگاؤ اور مناسبت نہ تھی۔ اس لئے چند ہی روز کے بعد اس شغل کو ترک کر کے منشی محفوظ علی صاحب کے مشورہ سے اودھ پنچ نکالنا شروع کیا۔ اور اس میں اپنی خداداد ذہانت سے وہ طباعی دکھائی کہ چند ہی روز میں یہ اخبار نہایت مقبول ہوا اور ایسے ایسے نامہ نگار آپ کو مل گئے جنھیں جانِ ظرافت کہنا کسی طرح بیجا نہیں ہے۔ مرزا مچھو بیگ ستم ظریف۔ تربھون ناتھ ہجر۔ نواب سید محمد خاں آزاد۔ سید اکبر حسین اکبر الٰہ آبادی منشی احمد علی شوق۔ منشی جوالا پرشاد برق۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار۔ منشی احمد علی کسمنڈوی ابو الکلام مولانا امید امیٹھوی وغیرہ وغیرہ۔ ان مضمون نگاروں نے اور بھی اخبار کو چار چاند لگا دیئے۔ اور انھیں کی بدولت آسمان شہرت آفتاب بنکر چمکا۔ اودھ پنچ نے زبان اور لٹریچر کی وہ گرانبہا قابل قدر خدمات انجام دیں کہ آج تک یادگار ہیں۔

اخبار کے علاوہ منشی صاحب موصوف نے چند ظریفانہ ناول بھی تصنیف کیے جو آج بھی دنیائے ظرافت کے لئے مایۂ صد ناز ہیں۔ جن میں سے حاجی بغلول۔ احمق الذین۔ پیاری دنیا میٹھی چھری۔ قابل ذکر ہیں۔ رینالڈ کے ایک انگریزی ناول کا ترجمہ نہایت سلیس اور دلکش اُردو میں کیا۔ جسکا نام طلسمی فانوس ہے۔ گو یہ ناول ایک ترجمہ ہے۔ مگر طباعی اور ذہانت نے اس کو طبع زاد بنا دیا ہے ایک کتاب حیات شیخ چلی بھی نہایت دلچسپ آپ نے تصنیف فرمائی جسے ظریفانہ تاریخ میں ایک درجہ امتیاز حاصل ہے۔

منشی صاحب موصوف کو ایک مستقل شاعر کہنا زیادتی ہے۔ مگر اکثر جگہ اُن کی ذخار طبیعت سے نظم کے جواہر بھی نکل گئے ہیں۔ جو یقیناً ظرافت کے تاج کے لئے شاہوار موتیوں سے کم نہیں۔

آپ کی نثر کے فقرے۔ پھبتیاں بھی شعر سے کم نہیں ہیں۔ مگر ہم یہاں اُن کو نظر انداز کرتے ہیں اور صرف چند اشعار جو آپ کی تصانیف سے چنے ہیں درج کرتے ہیں۔

حرف سین

سب رنگ - قاضی عبد المغنی نام تھا بدایوں کے رہنے والے تھے قمر صاحب کے شاگردوں میں تھے - ظرافت گوئی کا شوق تھا اور نہایت اچھے شعر اس رنگ میں نکال لیتے تھے - چند شعر مل سکے یہ ہیں -

فضول کس لئے تکلیف ہو پکانے کی ۔۔۔ لگاو تاک کہیں روٹیاں چرانے کی

اسی سے تو نے مرے دل میں پھیر دی جھاڑو ۔۔۔ تری نظر نہیں کنجی ہے مال خانے کی

اگرچہ گنج تو باقی نہیں ہے اب لیکن ۔۔۔ ابھی تک آپکو عادت ہے سر کھجانے کی

وہ زندگی میں چرالے گئے تھے دل میرا ۔۔۔ اب اُن کو فکر ہے میرا کفن چرانے کی

سنا ہے میں نے تمہیں اب وہ کاٹ کھاتے ہیں ۔۔۔ یہی سزا ہے رقیبوں کے منہ لگانے کی

سنا ہے بیٹے ہیں آج اُن کے درد اٹھا کر ۔۔۔ سزا ملی انھیں سب رنگ کے ستانے کی

سجاد حسین - یہی مشہور معروف ذات تھی جنکی ادارت میں ہندوستان کا ہر دلعزیز ظریف اخبار اودھ پنچ سابق ۱۸۷۷ء سے ۱۹۱۲ء تک نہایت شان اور آن بان سے نکلتا رہا منشی محمد سجاد حسین مرحوم کے والد منصور علی صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے جو پنشن لینے کے بعد اک عرصہ دراز تک حیدر آباد میں سول جج کے عہدہ پر ممتاز رہے - منشی صاحب موصوف ۱۸۵۶ء میں بمقام کاکوری ضلع لکھنؤ پیدا ہوے اوائل عمر میں زیر نگرانی نواب فدا حسین صاحب لکھنؤ میں تعلیم پاتے رہے اور ۱۸۷۳ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کر کے کچھ دنوں تک کیننگ کالج لکھنؤ میں الیف اے میں تعلیم پائی - مگر تعلیم سے دل اچاٹ ہو گیا - اسی لئے امتحان میں شریک نہ ہوے

حیات شیخ چلی تمام ہوئی تو آپ نے یہ تاریخ لکھی۔

چھپے ہیں قہقہے جو شوخیاں ہیں ہر طرف
ہر جو ہر سوفی المثل فرخندگی خندیدگی

سال تاریخش چو ڈھونڈا ہاتف غیبی بگفت
شیخ چلی آگئے دنیا میں با سنجیدگی

۱۳۱۹

حاجی بغلول جب کنڈے والی پر عاشق ہوئے ہیں تو ہجر میں کچھ اشتیاقیہ شعر بغلول کی زبانی آپ نے لکھے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔

مرے دل کے مونڈھے پہ بیٹھو صنم تم
تن زار گھسکر ٹھٹھیرا ہوا ہے

یاروں کو کیوں ہے واقعہ یہ کھیل ہو گیا
کیا امتحان عشق ہیں میں فیل ہو گیا

تن ہو گیا ہے سوکھ کے کانٹا ببول کا
اپنے تو حق میں عشق امر بیل ہو گیا

اسٹیشن عدم کو چلے ہم فراق میں
جانی تمھارا ہجر ہمیں ریل ہو گیا

دیوانی فوجداری سے جھگڑے میں عشق کے
بغلول کیا ڈرے گا اگر جیل ہو گیا

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں رسن
دو ایک ہاتھ چاہ میں جب ڈول رہ گیا

پہونچا جب اُن کے کانوں میں اور وہ بول سکے
منھ کھولے غم سے ہائے یہ بغلول رہ گیا

نالہ یوں ہم نے بطرز دگر ایجاد کیا
ساتھ سائیس کو لے گاؤں میں فریاد کیا

بغلول کے مختار نامہ عام کا ایک شعر

سپردم اُنھیں مایۂ خویش را
وہ جانیں حساب کم و بیش را

حاجی صاحب جب مقدمہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو فرماتے ہیں۔

عزیز و حق تعالی کبریا ہے
شہرت جس نے عدالت کو دیا ہے

حاجی صاحب جب گڈھیا میں غرقاب ہو جاتے ہیں تو فرماتے ہیں۔

ہوے بچکے ہم جو رسوا ہوے کیوں نہ در گر ہیا ۔ وہیں رہتے قتل عید گہ ہیں غائیں غائیں کرتے

سخی - تخلص سید پرورش علی نام - آپ کڑا ضلع الہ آباد کے باشندے اور سید جلال بخاری کی اولاد سے تھے - رند مشرب - آزاد مزاج - یار باش خوش خلق - پابند وضع آدمی تھے نماز روزہ کے پابند تھے - بھاکا اردو دونوں زبانوں کے شاعر تھے - بھاکا میں انور تخلص تھا اُردو کے کلام میں نہایت شستہ اور رفتہ ظرافت ہوتی تھی - ۱۲۲۹ھ میں پیدا ہوے اور پینسٹھ برس کی عمر پا کر ۱۲۹۳ھ میں وفات پائی - نمونہ کلام یہ ہے -

بوسہ بلند سخی مانگتا ہے ۔ ایک دیجیے گا تو دس پائیے گا

اتنا کہنا تھا کہ یوسف نہ کہو ۔ گالیاں دیں سر بازار یہ کیا

کہاں دن کو گھر بے محل جائیگا ۔ ابی جھٹ پٹے میں نکل جائیے گا

مرے دل میں آنیسے یہ فائدہ ہے ۔ ذرا اور سانچے میں ڈھل جائیگا

شیخ جی کہتے ہیں غنا کو حرام ۔ انسے پوچھو تو ہیا یہ گاتے کیا

سر جو ٹکراتا ہوں تو کہتے ہیں ۔ میرے دیوار کا خدا حافظ

ایک ہیں جس کا نامہ اعمال ۔ دو فرشتے سیاہ کرتے ہیں

توبہ ہے شیخ جی برا نہ کہو ۔ دیکھو وہ بت کہیں خدا ہی نہو

دل کھلو: نہیں جو کہتے ہو ۔ ہم ہی لیں گے ہم ہی لینگے

سحر مولوی - اودہ پنچ سابق کے ایک مضمون نگار ہیں جن کا نام اور حال معلوم نہیں غزل یہ ہے صنعت معرا عن المعنی میں کہی گئی ہے -

طباشیر سحر عکس بیاض روے جاناں ہے ۔ چمک خورشید عالمتاب کی تنویر خوباں ہے

الجھتی زلف نیلی فام ہے شبدیز مجنوں پر ۔ کہ ناقہ کو خیال لیلی محشر خراماں ہے

سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ اودھ اخبار پر ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے اور سرشار کو جواب دینا پڑتا تھا اس لئے آخر میں دونوں صاحبوں کے تعلقات کچھ اچھے نہیں رہے تھے۔ مگر انصاف اور حقیقت یہ ہے کہ سرشار نے جو کچھ سیکھا وہ اودھ پنچ ہی سے سیکھا اور باوجود اس کے کہ وہ شگفتہ با محاورہ نثر لکھنے میں مشاق تھے۔ ہر طبقہ ہر فرقہ کے حالات اور محاورات سے باخبر تھے۔ ظرافت نگاری ان کا جزو تحریر ہو گئی تھی۔ مگر سجاد حسین مرحوم کی ظرافت سے اسکو ذرہ و آفتاب کی بھی نسبت نہیں ہے۔ رتن ناتھ سرشار جب ظرافت لکھتے ہیں۔ تو کچھ رسوم و رواج کے نقشے کھینچکر کچھ محاکات پیدا کرتے ہیں کچھ اس فرقہ کے حالات لکھتے ہیں اور اُن میں محاورات کو داخل کرتے ہیں۔ کچھ اصطلاحات خاص لاتے ہیں۔ کچھ ضرب الامثال سے زینت کلام میں مدد لیتے ہیں۔ کچھ ہنسنے ہنسانے والے الفاظ استعمال کرتے۔ کچھ کلام کو طول دیتے ہیں۔ کچھ مشاہیر کے تڑپانے والے اشعار موقع بموقع لکھتے ہیں تب کہیں جا کر عبارت میں ایک لطف پیدا ہوتا ہے۔ اس میں بھی ایک نقاد کی پہلی نظر نکتہ چیں کو آورد کا عیب صاف اور کھلا ہوا نظر آتا ہے۔ اور دوسری نگاہ خوردہ بیں طوالت کلام کی وجہ سے ہر داستان کو سعدان بن لندھور کی داستان خیال کرنی لگتی ہے رنگین الفاظ کے قالب ظرافت کے نقش و نگار سے مزین اور مزین معلوم ہوتے ہیں۔ مگر وہ لعبت چین سے زیادہ نہیں ہوتے نہ اُن میں کوئی روح ہے نہ جان ہے۔ عام نظروں کو دھوکہ دینے میں البتہ مدد کرتے ہیں۔ اس کے مقابلہ پر سجاد حسین مرحوم کی عبارت کو دیکھئے تو وہ عربی فارسی کے بلیغ اور وزنی الفاظ کی ثقالت کے باوجود بھی اتنی رنگین ظرافت میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔ کہ دیکھنے والے کو کوئی حصہ اور کوئی بیرونی اور اندرونی پردہ اس سے خالی نظر نہیں آتا۔ غور کرنے پر اس کے لطف میں برابر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک ایک سادہ فقرہ بھی اُن تمام فرائض کو ادا کرتا ہے جنھیں سرشار ایک ایک کر کے جمع کرتے ہیں۔ ایجاد۔ ایجاز۔ اختصار۔ فصاحت۔ بلاغت۔ ہر جگہ دوش بدوش نظر آتی ہیں۔ ایک ایک بھبتی ظرافت کے ایک ایک دفتر کا جواب ہے۔

نجابت میری پروردہ ہی کس انداز رعنا کی — کہ مجھکو خواہش بیداد تغافل کیش ہر آن ہے

زبونی کش ہوا میں کب ستم ہائے نہانی کا — مرا دل بھی گذر گاہ تجلی ہائے جاناں ہے

نہ کر سنت کش تیغ ادائے یار عاشق کو — کہ ہر اک لغزش دل پروردہ آغوش ارماں ہے

تمنائے مصیبت آزما کچھ اور کہتی ہے — کہ وقف سادگی ہائے دل بیدرد خوباں ہے

نہیں ہے رابطہ الفت کسی سے جز حسیناں سے — کہ ہر اک بات میری اک راز انداز پنہاں ہے

میں احساں کش ہوں کیونکہ ترے لطف نہانی کا — غم آوارگیہائے صبا مجھکو فراواں ہے

وفا سے حسرت رنگیں بیاں کب بے ارادت ہو — تعجب کیا سحر گہ خار چشم نکتہ سنجاں ہے

شرر شیخ رمضان علی نام ہے سندیلہ کے رہنے والے ہیں سید منصب علیصاحب ہنر تلمذ ہے۔ افیون کے متوالے ہیں اور اکثر اسی کی مدح میں شعر فرماتے ہیں۔ اب عمر تقریباً پچاس پچپن برس کی ہوگی تلاش کے بعد صرف دو شعر مل سکے وہ یہ ہیں۔

افیون پی کے کھائیں جو شیرہ کی ریوڑیاں — کیا مکھیوں کے حملے ہیں مجھ ناتوان پر

ہمارے ساتھ بھی سامان کیا کیا بیش قیمت ہیں — ادھر تھیلا ہے کولوں کا اُدھر ڈبیا ہے افیوں کی

سرشار یعنی پنڈت رتن ناتھ سرشار مصنف فسانہ آزاد۔ سیر کہسار۔ جام سرشار وغیرہ آپ کے والد کا نام پنڈت بیجناتھ تھا۔ جو لکھنؤ کے ایک معزز کشمیری خاندان کے رکن تھے۔

سرشار مرحوم ظریف شاعر نہ تھے صرف نثار ظریف تھے۔ مگر روانی طبع میں اپنی نظموں میں وہ وہ چلبلے اور چٹکیلے شعر کہہ جاتے ہیں جو دوسروں سے بالارادہ کہنا بھی مشکل ہیں۔

اول اول میں اودھ پنچ میں ظریفانہ مضامین لکھتے تھے۔ اس اخبار سے بہت کچھ ان کی ظرافت نگاری کو ترقی ہوئی اور ایک عمدہ نثار ظریف کی قابلیت اسمیں پیدا ہوگئی۔ مگر چند روز کے بعد اودھ پنچ کے نامہ نگاروں سے علحدہ ہوگئے اور اودھ اخبار کی اڈیٹری کرلی۔ چونکہ

ہر فقرہ پکارتا ہے کہ جس جگہ میں ہوں اس کے لئے وضع ہوا ہوں۔ ہر جملہ بتاتا ہے کہ اس رنگ خاص کا میں ہی آغاز ہوں اور مجھی پر اس رنگ کا اختتام ہے۔ سجاد حسین مرحوم کی عبارت کا دیکھنے والا بیساختہ کہہ اٹھتا ہے کہ ع بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری۔ راقم الحروف جب سجاد حسین کی کسی عبارت کو دیکھتا ہے تو نعمت خان عالی یاد آتا ہے۔ صرف زبان کا فرق رہتا ہے باقی کچھ نہیں۔ ہاں اس میں کلام نہیں کہ ان جواہرات کو جوہری ہی پرکھ سکتے ہیں نا شناسان ظاہر بیں اسکی بلاغتوں کو دیکھ نہیں سکتے۔ اسی لئے کہیں سجاد حسین کے مقابلہ پر سرشار کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور کہیں کسی دوسرے کو۔ اس کے سوا کہ وہ اپنی پسند کے مختار ہیں عقل رسا۔ ذہن نقاد۔ ذوق سلیم۔ اُن کو مجبور محض بھی کہہ سکتا ہے۔ اڈیٹر اودھ پنچ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اُن کا تبسم قہقہے کی حدود میں پہونچ جاتا ہے۔ مگر وہ یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ یہ تبسم اگر قہقہہ ہے تو اس سے ظرافتوں پر دوسرے خرمنوں پر بجلی گر جاتی ہے اور اگر تبسم ہے تو مزاج و مذاق کے ہرے بھرے چمن زار کو بھی یہی ایک غنچہ شرما دیتا ہے۔

سرشار مرحوم نے پچپن چھپن برس کی عمر پا کر ۱۹۰۳ء میں بمقام حیدر آباد انتقال کیا شاعری میں منشی مظفر علی اسیر مرحوم کے شاگرد تھے اور نہایت عقیدت رکھتے تھے۔ گو ظریفانہ کلام نہیں ملتا۔ مگر اُن کے متین کلام سے چند اشعار منتخب کر کے لکھتا ہوں۔

از مثنوی تحفۂ سرشار

لندن کی پلا دو آتشہ مے ‏ ‏ اے پیر مغاں کدھر چھپا ہے
داتا پلوا شراب اچھوتی ‏ ‏ خوشبو خوشرنگ تیز جو کھی
کوثر کی کھنچی ہوئی ہے منظور ‏ ‏ لیڈی وائن جسے چیئے حور
بدمست ہوں پی کے ایک چلو ‏ ‏ زاہد کو بنائیں خوب الّو

فتوی کاشی کا کون مانے — لاکھوں میں پیئے کھلے خزانے
اے شیخ تجھے خدا کی سوگند — رندوں کی گرہ میں باندھ دے بند
لے منھ سے لگائے جام بادہ — اک بوند ہی پی نہ پی زیادہ
کیوں شیخ کو اجتناب ہے یہ — کچھ زہر نہیں شراب ہے یہ
کیوں قبلہ اگر کوئی پری چہم — با ناز و کرشمہ و خشم و چم
بحر خوبی ز پاے تا فرق — ہنستی کھِلتی ہوئی انا البرق
پھڑکاتی ہوئی وہ بوٹی بوٹی — ابھرا سینہ کھچری چوٹی
پازیب کو خوب چھم چھماتی — پیاری پیاری پھبتیں دکھاتی
لپٹا کے گلے کہے مری جان — جو کچھ کہوں مان لو میں قربان
پی لو یہ شراب پرتگالی — اٹھتی ہیں گھٹائیں کالی کالی
گورے ہاتھوں سے بی علی جان — میں صدقے لگا دو مجھکو اک پان
اس پان کو لے کے آپ کھاویں — بیٹھے بیٹھے مزے اڑاویں
ادہرم ہو دہرم ہو پن ہو یا پاپ — جو کچھ کہے سب وہ کیجیے آپ
اور میں بھی کہوں اٹھا کے چلمن — تسلیم جناب قبلۂ من
تڑکے شکلام پر درم ہو — شب کو کھٹکن سے وہ کرم ہو
کھٹکن نہیں ہے دہرم کو کھٹکا — سیکھا اچھا ہے تم نے لٹکا
یارو دنیاے دوں ہے کس کی — میڈم کی نہ میم کی نہ مس کی
جنٹل مینوں کو دے تو وسکی — کسکی رہی اور رہے گی کس کی

نیچرل شاعری کا بہترین نمونہ سرشار نے اس انداز سے دکھایا ہے کہ اُن مدعیان بے خبر کو شرمانا چاہیے جو خواہ نخواہ ہر بے تکی بڑ کو شاعری سمجھکر اُسے نیچر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اے انجن ریل رہ نوردی دے پھپیہ چھکڑہ دوبردی
اے کاگ جہندہ لیمونیڈ دے برق جہندۂ بریگیڈ
اے رفتنگ خرام ریل گاڑی دے روکش ٹانگن پہاڑی
اے درتنگ وپو برنگ دلدل دے گولہ توپ جنگ کابل
اے تیر گمان ملک ایران دے برش خنجر صفاہان
اے جوشش ابال گرم ہانڈی دے قلقل بوتل برانڈی
اے ریگ روان دشت خفچاق دے چنگاری سنگ چقماق

ایک اور ساقی نامہ ہے جو سرشار نے اپنے سب سے زیادہ دلچسپ ہیرو خوجی کے نام سے فسانۂ آزاد کی جلد چہارم میں لکھا ہے۔ خوجی فسانۂ آزاد میں وہی درجہ رکھتا ہے جو سجاد حسین مرحوم کے ناول حاجی بغلول میں خود بغلول اور حرفہ ریوڑی یا احمق الذین میں بھولے نواب۔ آپ ایک حماقت کی سربند پوٹ ہیں۔ جس کے کھولنے یا کھلنے پر انواع انواع کی غیر ضروری اور ضروری حماقتیں برآمد ہوتی ہیں اور جب خوجی کی ذات سے خوجی کی حماقتوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو وہ ایک حماقت معرا کی دل خوشکن اور مضحک تصویر بنکر رہجاتے ہیں۔ ساقی نامہ کی نقل یہ ہے۔

اے ساقی مشک رنگ شب فام دے بھر کے افیم ناب کا جام
جب تک ہے بدن میں جان باقی ٹپکا منھ میں افیم ساقی
چینیا بیگم کا عاشق زار یعنی خواجہ بدیع بیمار
برسوں سے ترس رہا ہے ساقی رہجائے یہ آرزو نہ (خوجی) باقی
ساقی قدح افیم دیدے اور اُس میں ملا کے نیم دیدے
نشے کے پینگ خوب بڑھجائیں اور کڑوے کریلے نیم چڑھ جائیں
نشے میں جو کہنے بیٹھوں اشعار پینک کا ہو دیو مجھپہ اسوار

کاغذ کا ورق سیاہ ہو جائے — دشمن میرا تباہ ہو جائے
سطریں ہوں رشک زلف خوباں — اور رو کش کاکل حسیناں
ہر لفظ بنے حبش کی دولھن — اور خواجہ بدیع شوہر ان
ساقی چینی کی پیالیاں لا — آب اسود کا جلوہ دکھلا
کر رحم پلا افیم چینی — نادت بہ کشتم کہ نازنینی
ہونٹوں پر آگئی مری جان — رنجم مفزائے بامدادان
تو بے خبر اور میں ہوں رنجور — اس ملک کا کیا یہی ہے دستور
ہے میری دعا کہ خالق کُن — برسائے تری دکان پر ہُن
مجمع رہے وہاں افیمیوں کا — دل بادل چیونٹے مکھیوں کا
بیماری موت بد بلا ہے — بس اس کی افیم ہی دوا ہے
مر جاؤں گا گر نہ دے گا افیون — سوگند بذات پاک بیچون
پیاری ہے افیم جان و دل سے — پیاری ہے افیم تیرے تل سے

دوسرا ساقی نامہ بزبانِ خوجی (خواجہ بدیعا)

پلا ساقیا مالوے کی افیم — کہ ہے شوق گلگشت باغ نعیم
کرم کر حقیروں پہ مائی ڈیر — میں قربان جاؤں ذرا کم ہیر
پیاسا کئی دن کا ہوں ساقیا — جھلاک آب اسود کی مجھکو دکھا
نہ مطرب نہ ساقی نہ مینا نہ چنگ — نہ چانڈو نہ افیون گانجا نہ بنگ
جلا لے دم واپسیں اے کریم — سرہانے پہ کہہ قم باذن الافیم
نہ تاخیر کر ساقی مشک رنگ — پلا جام افیوں ابھی بیدرنگ
دم بینک و عیش بے رنج و غم — پڑھوں یہ کلام فصیح عجم
کریما ترحم بحال سقیم — کہ ہستم اسیر کمند افیم

جو ٹپکے مرے منہ میں افیون ناب — تو کم ہو ذرا جوشش اضطراب

سخیاں ز افیون پر میخورند — سخیاں نبات و شکر می خورند

نگہدار مارا ز راہ خطا — خطا در گذار و افیمم نما

نداریم غیر از تو فریاد رس — بدہ جام افیوں باقی ہوس

خراب و سیہ مست و تر دامنم — بدہ او بیم او بیم او بیم

بدیعا بس اب روک اپنی زباں — دم صبح ہوتا ہے پینک کا دھیان

ایک جگہ خواجہ بدیع الزماں بدیعا معروف بہ خوجی ایک ڈاکٹر سے خفا ہیں تو فرماتے ہیں۔

خدا کی قسم شکر کر شکر کر — قرولی سے خالی ہے تیری کمر

قرابینچہ پاس ہوتا اگر — تو کچ کر کے میں پھونک دیتا مگر

جو پینک میں ہوتا نہیں بے خبر — تو بھٹے کی صورت اڑا دیتا سر

دو چار جگہ خواجہ بدیعا یعنی خوجی صاحب حلوائیوں کے ایسے پیچھے پڑے ہیں کہ اپنے تصور میں تمام حلوائی کی دوکان چٹ کر گئے ہیں اور ڈکار بھی نہیں لی۔ اس رنگ کے شعر بھی دیکھئے۔

خواہش نہ قند کی ہے نہ خواہاں شکر کے ہیں — چسکے پڑے ہوئے تری میٹھی نظر کے ہیں

کھٹیاں وہ کھا کے رات کو فقرے سے ٹل گئے — افسوس مفلسی میں مرے دو ڈبل گئے

رحم اے یار کرو گو ہیں گنہگار دہیں — ہم بھی اے غیرت شیریں ہیں وفادار دہیں

کیا تری کاکل پیچاں کا کیا نظارہ — سیو کس واسطے بل کرتے ہیں نظار دہیں

میرے جلاب کو گلقند عجب ہو تیار — ڈالوں شکر جو ترے ہاتھ ہے ہار دہیں

بوسے پائیں جو مرے گل کے لب شیریں کے — قند گھل جائے شکر خور نہ ہوں مختار دہیں

کیوں زمانے میں مٹھائی ہوئی مہنگی اتکی — جا بجا ہوتے ہیں مولیدو جو بازاروں میں
کیوں نہ عشاق رہیں چیونٹیوں کی صورت گرد — بدلے لونی کے ہے شکر تری دیواروں میں
عرق آلودہ وہ ابرو ہیں مزا ہے اے دل — ہے عوض آب کے شربت انہیں تلواروں میں
لب شیریں کی ترے یوسف مصری کی طرح — دہوم ہے چاروں طرف مصر کے بازاروں میں
کیوں نہ باتوں میں حلاوت ہی حلاوت ہو یار — صاف مصری کا مزا ہے تری گفتاروں میں

امتحاں کو بیکاری میں رہیں ثابت قدم — جوتیاں جسدن لگا کر چاہے چلاں دیکھ لے

افیون کی کرم میں یاں سے نکلے — تو قیر و گناہ دیکھئے گا
مزار کی اپنے افیم کا رنگ — سبحان اللہ دیکھئے گا

جبتک نہ دل کی بے کلی جائے — او دائرے والے گت چلی جائے

در بہشت آئی نظر جب تو یہ عاشق نے کہا — نشہ افیوں کا بڑہا ہے یہ عمارت میری
کیوں نہ سترک میں رہے گردہ اک افیونی — ڈہیر گنوں کا زمیں پر ہے کہ تربت میری
کہتا ہے خوانچہ فرنی کا کہ زردے کا طباق — ورق نقرہ سے کرے کوئی زینت میری
لوٹ سکتا نہیں افسوس تھا سا مجھسے — بڑہ گئی کھا کے مٹھائی یہ نزاکت میری
میں یہ سمجھا جبتی دیکھ کے حلوا سوہن — جلوہ دکھلاتی ہے شاید شب وصلت میری

مصری کی بغیا چلکے صنم بیچئے افیم — ہے جائے لطف کھیت وہاں نیشکر کے میں

سرپٹ - محمد عباس نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں۔ جناب قمر بدایونی سے اصلاح لیتے ہیں۔ نقہ ظریف (جو قمر صاحب کے ظرافت گو شاگردوں کے کلام کا مجموعہ ہے) سے کلام کا انتخاب کیا گیا ہے۔ بجز نام کے دوسرے حالات سے اطلاع نہ ہو سکی۔

میں نے اس شان سے اُس شوخ کو اکثر دیکھا ۔۔۔ ڈگڈگی ہاتھ میں اور ساتھ میں بندر دیکھا
بھونکتے کاٹتے ابتک نہیں دیکھا لیکن ۔۔۔ موتتے میں نے انھیں ٹانگ اٹھا کر دیکھا
آجتک میں نے کبھی نیم کی ڈنڈی کے سوا ۔۔۔ ہاتھ میں اُن کے نہ شمشیر نہ خنجر دیکھا
کسطرف یار کو اب ڈھونڈھنے جاؤں سرپٹ ۔۔۔ ہم پولیس میں بھی گئے روز برابر دیکھا

خط لکھ کے کیا کرے کوئی اُنکی جناب میں ۔۔۔ لاحول بھیجتے ہیں وہ خط کے جواب میں
ہر دن کی باندھو بوندھ سے واعظ نجات ہو ۔۔۔ ہرتال آپ کیوں نہ ملالیں خضاب میں
وہ اسطرح تو عارض روشن دکھا چکے ۔۔۔ ماچس ملے تو آگ لگادوں نقاب میں
یہ کالے کالے تل رُخِ پُر نور پر نہیں ۔۔۔ کچھ مکھیاں بھنکتی ہیں چینی کی قاب میں
پینے کو دام گانٹھ گرہ میں نہیں رہے ۔۔۔ اب بھیک مانگتے ہیں وہ جام شراب میں
آئندہ بیل مست سے بھی بڑھ جائیں کیا عجب ۔۔۔ بھینسے سے کم نہیں ہیں وہ عہد شباب میں

تڑپتا ہے دل وحشی مرا یوں انکی مژگاں میں ۔۔۔ کہ جیسے بانہ گگھا جا پھنسے کوئی نیستاں میں
تجھے سچ مچ کا یوسف کیوں نہ کردوں یوسف ثانی ۔۔۔ گرادوں آج لیجا کر کسی رستے کی کوئیاں میں
کوئی تدبیر وصل یار بھی لکھتے تو ہم کہتے ۔۔۔ چچا سعدی نے سب کچھ لکھدیا اپنی گلستاں میں
منڈائیں ایک ہفتہ میں جو سر دو مرتبہ اپنا ۔۔۔ اب اُن سے کیا کہوں دل ہی تمنا رہی الفنجاں میں
وہ اپنے چھوٹے بھیا کو بھی اپنے ساتھ لائے ہیں ۔۔۔ کسے ترجیح دوں آخر میں لیمراور ٹٹیاں میں
تری یاد اسطرح آتی ہے دل میں اے مسیحا دم ۔۔۔ کہ جیسے ڈاکٹر ہر صبح کو آتا ہے زنداں میں

ملا دل ڈھونڈھنے کا خوب موقع آج حسرت کو ۔۔۔ وہ کہتے ہیں جو میں دیکھوں ہماری زلف پیچاں میں

بڑھا کر نام لینا ہے تو یہ کہہ دو کہ خچر ہو ۔۔۔ یہ کیا کہتے ہو تم ہر وقت دشمن سے بڑے خر ہو

پڑا سے پر ہو مرگھٹ پر ہو چکی کی سڑک پر ہو ۔۔۔ کہیں تو دید اُس اُلّو کے پٹھے کی میسر ہو

کسی کم عمر سے قدر محبت ہو نہیں سکتی ۔۔۔ اگر ڈڑھیل ہو دلبر تو کم سے کم مچھندر ہو

الٰہی یوں نکالا جائے دشمن کوئے جاناں سے ۔۔۔ بغل میں بسترا ہو اور کھٹیا اُس کے سر پر ہو

تمھاری گول آنکھیں لال منہ اسٹول کی ٹھیک ۔۔۔ یہ سب باتیں بتاتی ہیں کہ تم دراصل بندر ہو

یہ کیا بندر کی صورت میم لائے ہو ولایت سے ۔۔۔ ارے مرد خدا تم آدمی ہو یا قلندر ہو

عدو کے پیچھے پیچھے کیوں پھرا کرتے ہو مسٹر گوبر ۔۔۔ خدا سمجھے تمھیں معشوق ہو یا اُس کے نوکر ہو

ستانے کا مزہ میں بھی چکھا دوں انکو اے سرٹ ۔۔۔ جو میرے ہاتھ میں جوتہ ہو اور انکا گھٹا سر ہو

وہ ننگے پانوں آدھی رات کو ماں باپ سے چھپ کر ۔۔۔ ہمارے ساتھ بھاگ آئیں تو کھٹ پٹ ہو چپڑ ہو

سرکوب۔ دور موجودہ کے ایک خوش مذاق شاعر ہیں پوربی زبان کے گنواروں کی بولی میں شعر کہنے کی مہارت ہے چنانچہ اشعار ذیل اُسی ٹائپ کے ہیں۔

ہم کا بتائی بات ہے کا ہمرے یار ماں ۔۔۔ مارو تو موت مارے ہی جھٹ سی اجار ماں

کیا بتائیں ۔۔۔ میں ۔۔۔ ازار

سب کا جگائے دیت ہے بس چرچراے کے ۔۔۔ لیٹا کرب نہ آج سے سارے بیار ماں

پتیال

موڑھے پر اُٹھا کا رکھ کے ٹری در بھاگ جاب ۔۔۔ لگا جو کو تو روج اکیلا بجار ماں

گردن پر ۔۔۔ اسکو ۔۔۔ لگیا جو کسی دن

کریا ہے رنگ ایس مرے بانکے یار کا ۔۔۔ ہوئی جائے رات دن کا جو نکلے بجار ماں

کالا ۔۔۔ ایسا ۔۔۔ دن کو

دو دن سے ہمکا دیکھ کے وہ بڑبڑاے لاگ
چلاے دیبتنکو جو چھیڑ دیجا رہاں
چلاے دیتے ہیں تھوڑا سا

دوئی دانت گھس گے نکسا ہوے باپ رے
نکلا
دانتن سے ایسے جو رہاں کاٹس بیارہاں
زور کاٹا

مارے ڈرن کے بھاگ گیوں لیکے اپنی جان
دیکھوں لہو بھرا جو ہیں اُسکی کٹارہاں

کرمن سے جہر کا ڈیل ملا ہوے تاڑ سا
وہ یار چھپ سکت ہے بھلا کب بجارہاں

بعیتر اندھیری کُٹھری ماں ہمکا لٹاے کے
گھنٹن سے لاگ ہے سر آپن سنگارہاں

سرکو پتارا ٹوٹا کرت ہے سکار تک
صبح
موتی پروت ہے جو وہ مُوڑے کے بارہاں
سر کے بال ہیں

سعدی - آپ کا اسم گرامی مصلح الدین تھا - مگر تحقیقات جدید کے مطابق معلوم ہوا ہے کہ شمس الدین آپ کا اصل نام تھا - بہرصورت آپ نام کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے تخلص کے ساتھ اسقدر مشہور ہوے کہ آج دنیا کا بچہ بچہ آپ کو جانتا ہے یا کم از کم آپ کے تخلص سے آشنا ہے - بہت سے بزرگوں کا قول ہے کہ جو مقبولیت اور جو شہرت آپ کے کلام کو ہوئی وہ دنیا میں کم کسی کو نصیب ہوئی - آپ کی تعریف - اور آپ کے احوال کا لکھنا تحصیل حاصل ہے ہر شخص آپ سے کماینبغی واقف ہے - آپ جسطرح ہر صنف اور ہر رنگ کلام کے بادشاہ تھے اسی طرح صنف ظرافت کے استاد کامل تھے - اگرچہ ہزل و ظرافت سعدی کے نام کے ساتھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں مگر میں نے ایک قدیم نسخہ میں یہ عبارت دیکھی - کہ حضرت نے خود فرمایا ہے - کہ مجھے بعض ابنا ملوک نے دھمکی دی کہ تم ظرافت لکھو - مگر میں نے انکار کیا - یہاں تک کہ میرے قتل پر آمادہ ہو گئے - تب میں نے یہ ظرافت اور ہزل لکھی ہے - اگر سعدی یہ بھی نہ لکھتے تب بھی قابل الزام نہ تھے - کیونکہ بہت سے لوگوں کے نزدیک اُن کے کمال کو مکمل اور مسلم کرنے والی یہی دو چیزیں ہیں -

باب پنجم گلستاں در عشق و جوانی - اور ہزلیات

اُن کی ہزلیات رنگ زمانہ کے موافق سیکڑوں جگہ درجہ فحش تک پہونچ گئی ہیں۔ مگر اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ وہ جس رنگ میں ہیں ممتنع الجواب ہیں۔ بہت سی ظرافت ایسی ہے جسکی تہ میں ظرافت کے ساتھ نصیحت کے بیش بہا جواہر نظر آتے ہیں۔ بہت سی جگہ الفاظ اتنے ہیں مگر ایک ایک لفظ میں تنو تنو زعفراں زار پوشیدہ ہیں اور ایک ایک سطر دیوار قہقہہ کا جواب ہے - میں کوشش کروں گا کہ اُن کی ہر رنگ کی ظرافت سے کچھ کچھ انتخاب کرکے لکھدوں - ملاحظہ فرمایئے -

زمانہ کے رجحان طبیعت کو دیکھتے ہوئے انھوں نے نوکر اور غلام کے لئے یہ قید لگادی ہے

غلام آبکش باید و خشت زن بود بندۂ نازنیں مشت زن

لطیفہ - ایک مرتبہ رات کے وقت آپ کا معشوق آیا - گھبرائے ہوئے اُٹھے چراغ آستین سے بجھ گیا - وہ بگڑ گیا - اور چراغ بجھنا سخت برا معلوم ہوا - کہا کہ سعدی تم نے یہ کیا حرکت کی کہ میرے آتے ہی چراغ بجھا دیا - آپ نے فی البدیہہ یہ قطعہ پڑھکر سنایا -

چوں گرانے بہ پیش شمع آید خیزش اندر میان جمع بکش
ور شکر خندہ ایست شیریں لب آستینش بگیر و شمع بکش

یعنی جب کوئی ایسا شخص شمع کے سامنے آئے کہ اسکا دیکھنا دلپر ایک گرانی کرے تو ممکن ہو تو اُٹھکر اس کو مار ڈال اور اگر کوئی معشوق ہے تو اُسکی آستین پکڑ اور شمع کو مار ڈال - یعنی بجھادے -

لطیفہ - ایک مرتبہ آپ کا ایک محبوب معشوق سے کچھ جھگڑا ہوگیا - اور نوبت یہانتک پہونچی کہ وہ ان کو چھوڑ کر چلدیا جدائی کے مصائب نے انھیں بہت پریشان کیا - مگر کیا کرتے مجبور ہوگئے مدت کے بعد ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ وہ واپس آگیا - مگر اب وہ زمانہ حسن و شباب کا باقی نہ رہا تھا ڈاڑھی مونچھیں نکل آئی تھیں اور وہ بہار کا زمانہ خزاں سے مبتلی ہوگیا تھا - اب وہ غمزے

اور کرشمے ناز و انداز رخصت ہو گئے تھے۔ وہ حسب دستور ان کے پاس بھی ملنے کے لئے آیا۔ بادل ناخواستہ یہ بغلگیر ہوئے۔ اور ہنسکر یہ قطعہ پڑھا۔

آنروز کہ خط شاہدت بود صاحب نظر از نظر براندی
امروز بیامدی بہ صلحش کش فتحہ و ضمہ بر نشاندی

تازہ بہار تو کنوں زرد شد دیگ منہ کاتشش افسرد شد
چند خرامی و تکبر کنی دولت پارینہ تصور کنی
پیش کسے رو کہ خریدار تست ناز بر ان کن کہ طلبگار تست

معشوق کے سبزۂ نو خیز پر آوازہ کستے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔

سبزہ در باغ گفتہ اند خوش است داند آنکس کہ ایں سخن گوید
یعنی از روئے نیکواں خط سبز دل عشاق بیشتر جوید
بوستان تو گندنا زارے ست بسکہ بر میکنی و میروید

پھر کہتے ہیں۔

گر دست بجاں داشتمی ہمچو تو بر ریشش نگذاشتمی تا بہ قیامت کہ بر آید

یہ کہکر بھی جی سیر نہیں ہوتا تو ایک پھبتی بھی کہہ ڈالتے ہیں جو اردو میں یوں کہی جائیگی چاند کو چیونٹے چمٹے ہیں۔

سوال کردم و گفتم جمال روے ترا چہ شد کہ مورچہ بر گرد ماہ جوشیدست

ایک جگہ تجربہ کی بنا پر لکھتے ہیں۔

امرد آنگہ کہ خوب و شیریں است تلخ گفتار و تند خوے بود
چوں بریش آمد و بلاغت شد مردم آمیز و مہر جوے بود

ایک جگہ بڈھوں کی مذمت میں لکھتے ہیں۔ کہ اُن سے نوجوان بیویاں خوش

نہیں رہ سکتیں۔

پیرے کہ زجاے خولیش نتواند خاست
الا بہ عصا کیش عصا برخیزد

لطیفہ۔ ایک بڈھے نے ایک نوجوان عورت گوہر نامی سے شادی کی۔ مگر بوجہ ضعف کے یہ اپنی بیوی کو خوش نہیں رکھ سکتے تھے۔ آخر کار دونوں میں جنگ ہوئی۔ اور دن رات لڑائی جھگڑا رہنے لگا۔ عورت نے علٰحدگی اور طلاق کی عرضی قاضی کے یہاں دی۔ بڈھے نے سر عدالت عورت کی بڑی مذمت کی۔ اتفاق سے سعدی بھی وہاں موجود تھے آپ نے ایک بات کہکر فیصلہ کردیا۔ پوری حکایت ہے۔

شنیدہ ام کہ دریں روزہا کہن پیرے
خیال بست بہ پیرانہ سر کہ گیرد جفت

بخواست دخترکے خوبروے گوہر نام
چو درج گوہرش از چشم مردماں بہ نہفت

چنانچہ رسم عروسی بود تماشا کرد
ولے بحملۂ اول عصاے شیخ بخفت

کمان کشید و نزد بر ہدف کہ نتواں دوخت
مگر بہ سوزن فولاد جامۂ ہنگفت

بہ دوستاں گلہ آغاز کرد و حجت ساخت
کہ خان ومان من ایں شوخ دیدہ پاک برفت

میان شوہر و زن جنگ و فتنہ خاست چناں
کہ سر بہ شحنۂ و قاضی کشید سعدی گفت

پس از ملامت و شنعت گناہ دختر نیست
ترا کہ دست بلرزد گہر چہ دانی سفت

یہ ظرافتیں ہیں جو اُن کے کلام نظم و نثر میں زیادہ سے زیادہ پائی جاتی ہیں۔ مگر ہزلیات جو از سرتاپا شوخی اور تمسخر سے بھری ہوئی ہیں اُن میں حد سے گزر کر اکثر جگہ فحش کی حدود میں پہونچ گئے ہیں۔ اس لئے انتخاب بھی نہایت دشوار ہوگیا ہے پھر بھی چند شعر انتخاب کرکے پیش کرتا ہوں۔

آن شیفتہ را چو باد در بوق افتاد
آن گنبد سیم رنگ در داد بباد

از بہر منارہ زاویہ وقف نکرد
ہمسایۂ بد خدائے کس را ندہاد

آں عہد بیاد داری و دولت شاد
کز عاشق بیچارہ نمی کردی یاد

آں روز گریختی کہ کس چوں تو نبود
داموز بیامدی کہ کس چوں تو مباد

ایں ریش تو سخت دیر برمی آید
موئے زنخت بزیر برمی آید
باایںہمہ چوں... ن تو می آرم یاد
آبم بہ دہاں..... برمی آید

مردکے غرقہ بود در جیحوں
از سمرقند بود پندارم
بانگ میکرد وزار مینالید
کاے دریغا کلاہ و دستارم

ایک مرتبہ ایک کریہ الصوت حافظ کو قرآن پڑھتے دیکھا تو فوراً یہ شعر پڑھے

گر تو قرآں بدیں نمط خوانی
ببری رونقِ مسلمانی

خدا ایں حافظانِ ناخوش آواز
بیامرزد اگر سالے نخوانند

قلم بیاد تو در شست کس نمی گنجد
کہ دیر شد کہ ندیداست ایں دوات امید
ترا دوات سیہ کرد روزگار وہنوز
مراز چشم قلم میرود مداد سفید

حریف عمر بسر بردہ در فسوق و فجور
بوقت عمر پشیماں ہمی خورد سوگند
کہ توبہ کردم و دیگر گنہ نخواہم کرد
تو خود دگر نتوانی بریش خویش مخند

دلیو گر صومعہ داری کند اندر ملکوت
ہمچو ابلیس ہماں طینت ماضی دارد
ناکس است آنکہ بہ اعداد دستار کس است
دزد دزد است اگر جامہ قاضی دارد

امردے کانرا پلاسے در براست | خوش بود از دخترے در چادرے

بس قامت خوش کہ زیر چادر باشد | چوں باز کنی مادر مادر باشد

زن با مردکسے دہد بہ گزاف | کہ نداند شریعت زردشت

دو منظور موافق روے درہم | چہ خوش باشند ہم زانو وہمدم
ہر انچہ آنرا بود ایں را مہیا | ہر انچہ ایں را بود آنرا مسلم
رفیق و حجرہ و گرمابہ و کوے | بصحرا باہم و در خانہ درہم
مقدم در موخر بردہ تا ناف | دگر بار ایں موخر آں مقدم
گر ایں حرفہ نگہداری ہمہ عمر | نہ دینارت زیاں باشد نہ درہم
من ایں پاکیزہ رویاں دوستارم | اگر دشمن شوندم خلق عالم
عروسان مقنع بے شمارند | عروسے را بدست آدر معمم
کہ گر بیروں کنی شلوارش از پاے | تو پنداری کہ خروارےست شلغم
حجاب نام و ننگ از پیش بردار | کہ محرم ں نہ پوشاند ز محرم
اگر محکم بہ بندی عقد شلوار | ہنوزت عقد صحبت نیست محکم
وصال دوستاں میخ است و دیوار | حدیث دشمناں بادست و پرچم
ہر آں کز پشت آدم زاد ناچار | رود بر پشت فرزندان آدم
طریقت خواہی از سعدی بیاموز | نہ این ماست لے برادر تا جہنم

ندیدم امردے سی سالہ چوں تو در اسلام | کہ فتنہاے چنیں آخر الزماں باشد

اگر دو دست تو یک ہفتہ بر قفا بندد | بہفتۂ دگرت ریش تا میاں باشد

اے خواجہ اگر با خرد و تمکینی | جز جلق زدن کار دگر ننگزینی
چہ خوشتر ازاں بود کہ ہنگام جماع | تاخایہ فرو بری سرش را بینی

مرکب از بہر راحتے باشد | بندہ از اسپ خویش در رنج است
گوشت قطعاً بر استخوانش نیست | راست مانند اسپ شطرنج است

سگ۔ ایک شخص قزوینی کا تخلص ہے جو شاہ عباس صفوی کے دربار میں ظریفوں کے زمرہ میں ملازم تھا نہایت بے ادب گستاخ اور شوخ مزاج واقع ہوا تھا۔ ایک مرتبہ عیسیٰ خاں قورچی باشی اُس کے دروازہ سے گزر رہا تھا۔ اس کے بٹھانے سے تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ گیا۔ اتفاق سے میاں سگ کے دروازہ پر ایک کتا سوتا تھا۔ عیسیٰ خاں نے پوچھا کہ یہ آپ کے یہاں کس عہدہ پر ملازم ہے۔ جواب دیا کہ قورچی باشی پر۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا۔ افسوس کہ ظریفانہ رنگ کے اشعار نہ مل سکے صرف ایک شعر سادہ ملا

بسحر آمدم بکویت بہ شکار رفتہ بودی | تو کہ سگ نبردہ بودی بچہ کار رفتہ بودی

سگ کے متعلق بہت سے لطائف و ظرائف درج کیے گئے ہیں مگر اکثر اُن میں سے غیر مہذب ہیں اور بعض ہمارے تذکرہ کے منافی ہیں لہذا قلم انداز کر دیے گئے

سوختہ آپ کا نام میر حسین کشمیری الاصل ہیں اور دور موجودہ کے ایک خوش مذاق خوش فکر ظرافت گو ہیں۔ علاوہ شاعری کے آپ ایک معزز اور مدبر اہل قلم ہیں

چنانچہ ضیافت پنچ لاہور مدتوں تک آپ کی ایڈیٹری میں نکلتا رہا آپ نے اپنی ظریفانہ شاعری کا ایک دائرہ مقرر کر لیا ہے اشتہا کی طرح کبھی کلو واشر بول سے باہر قدم نہیں رکھتے۔ ایک ایک شعر اشتہا انگیز اور آتش معدہ کو تیز کرنے والا ہوتا ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے

بحر قلزم جو بہے چائے کا دریا ہو کر — عکس خورشید نظر آئے کلیچا ہو کر
اترے مہتاب زمیں پر جو پراٹھا ہو کر — انجم چرخ بریں آئے پکوڑا ہو کر
شوربا قاب میں بہتا ہو جو دریا ہو کر — حلق لبیک کہے کیوں نہ کشادہ ہو کر
لطف کھانے کا جو آیا بھی تو بھوکا ہو کر — سوکھی روٹی بھی گئی حلق میں حلوا ہو کر
اے طبیبو کوئی تدبیر بتا دو ایسی — چائے نسخہ میں لکھی جائے بنفشا ہو کر
کوفتے خواب میں بھی جو تو برہم کھالے — ڈر دیں تپ کو تری آلو بخارا ہو کر
عقد بریانی کا جس وقت مطنجن سے ہوا — لٹ گئے مفت وہاں سیخ چھوہارا ہو کر
فرقت قاب میں کی پیر نے اتنی زاری — کھل گئی ریش بچارے کی تماشا ہو کر
نوع اجناس کو حاصل ہوا پہلو بخات — پہلوے دیگ میں جل جل کے ہریسا ہو کر
اپنی ہستی سے گزر جائے جو دنیا میں فروغ — قدر شلغم کی ہوئی دیگ میں کشتا ہو کر
ہو نہ مغرور سر دار پہ چڑھ کر منصور — چڑھ گئے سیکڑوں یاں سیخ پہ قیما ہو کر
خشک سالی میں نہ کھ سوختہ امید پلاؤ — پس گئے سیکڑوں اس آس میں دلیا ہو کر

سفلی۔ عنایت خاں نام کالے خاں عرف تھا۔ نہایت بذلہ سنج اور لطیفہ گو تھے آگرے کے رہنے والے تھے۔ ہزل گوئی کا شوق تھا۔ اور اسی میں کافی مشہور ہو چکے تھے۔ عرائض نویسی سے اوقات بسر کرتے تھے نہایت حاضر جواب۔ خندہ پیشانی۔ زندہ دل لوگوں میں تھے۔ باتیں کرتے تو معلوم ہوتا کہ منہ سے پھول جھڑتے ہیں اسی ظرافت کی بدولت راجہ بلوان سنگھ کاشی کے دربار تک پہونچے۔ مولوی نیاز علی پریشان نے جو آگرہ میں ۱۲۸۶ھ

میں مشاعرے کئے اُن میں شرکت کرتے تھے اور اُس وقت اُن کی عمر چالیس برس کی تھی تنگدست تھے مگر زندہ دلی اور آن بان میں کبھی فرق نہ آنے دیتے تھے - مرزا مہر اکبر آبادی کے شرف تلمذ سے بہرہ یاب تھے ظرافت میں وہ وہ باتیں نکالتے تھے کہ بے اختیار داد دینا پڑتی تھی مختلف اخبار وں میں کلام شائع ہوتا رہتا تھا آخر کار ۱۹۰۸ء میں دنیاے فانی کو خیر باد کہا دیوان مرتب ہو چکا تھا - مگر وہ شاید طبع نہیں ہوا اس لئے کلام کمیاب بلکہ نایاب ہو گیا - جو شعر مل سکے وہ درج کئے جاتے ہیں -

واہ وارے ملک الموت تری باریکی — گھس گیا ناک میں نمرود کی مچھر ہو کر

معشوق بچہ زاد سے غلمی خدا بچائے — کیا انتشار ہوتا ہے کل مل کو دیکھکر

میں اپنی ناتوانی پہ روتا ہوں اسلئے — اب لوگ دیکھتے مجھے عینک لگا کے ہیں

بادہ پیوں کہاں سے میں فصل بہار میں — نقدی تھی جسقدر وہ گئی سب اُدھار میں

انگور تر میں ہے نہ وہ لذت انار میں — منعم مزا ہے جو مری میٹھی جوار میں

اے گل ترے فراق میں کانٹا سا ہو گیا — مجھسے زیادہ بوجھ ہے پھولوں کے ہار میں

عروضی خردہ گیر شاعران باصفا ٹھہرے — دہابی جسطرح سے عیب جو نا دلیا ٹھہرے

کہا کرتے ہیں فاسق میکشوں کو حضرت واعظ — بڑی داڑھی بڑھا کر یہ بڑے اک پارسا ٹھہرے

نکالو گھر سے ایسی چوٹٹی ماما کا کالا منھ — کہ چھلکے پر نہ بیلین اور نہ چولھے پر توا ٹھہرے

کریں اشراف کیا فرمائیے اس قحط سالی میں — نہیں لتا بدن پر اور پابند قبا ٹھہرے

چڑھا دو گل مرے مرقد پہ اے گل اندامو — یہ اپنے گلگلے لیجاؤ زین خاں کے لئے

بتاؤ مجھکو بھنگیڑو کدھر گئے میکش — بھٹکتا پھرتا ہوں میں اپنے کارواں کے لئے

آیا صاحب کے میم کے مس کے — دل اٹھاؤں میں ناز کس کس کے

سودا - یعنی مرزا محمد رفیع سودا جنکی شیوا بیانی کی چار دانگ عالم میں دہوم ہے

جن کی ہجو نگاری نے اپنے معاصرین کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ ان کے والد کا نام مرزا محمد شفیع تھا جو کابل سے دہلی میں آئے تھے۔ اور پیشہ تجارت سے بسر اوقات کرتے تھے۔ ۱۱۲۵ھ میں سودا کی ولادت ہوئی۔ اور زمانہ کے دستور کے موافق تعلیم حاصل کرنے کے بعد شعر و شاعری کا شوق ہوا۔ شاہ حاتم کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ اپنے وقت کے مشاہیر اور اکابر شعراء سے معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں۔ اور دلی کے کوچہ کوچہ میں ان کی ہجویں مشہور ہو گئیں۔ مگر چونکہ خاندان تیموریہ کا چراغ اقبال برائے نام جل رہا تھا۔ اُس میں روشنی بالکل باقی نہ رہی تھی۔ عروج کے درخت کی جڑ میں دیمک لگ گئی تھی۔ اس لئے قدر دان ناپید تھے۔ اہل کمال پریشان اور خستہ حال تھے۔ اِدھر یہ عالم اُدھر امرا اور وزرا کا یہ زور شور یہ رنگ تھا کہ سلطنت کے مالک بن بیٹھے تھے۔ چنانچہ لکھنؤ میں وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر کا دور دورہ تھا ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے باکمال ادھر ہی کھچے چلے آ رہے تھے میرزا سودا کو بھی مجبوراً ادھر کا رخ کرنا پڑا۔ فرخ آباد ہوتے ہوئے یہاں آئے قدر دانوں اور اہل کمال نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور خوبی قسمت نے چند روز کے بعد نواب کے دربار تک پہونچا دیا خطاب ملک الشعرائی جس کے صحیح طور پر وہ مستحق تھے شاہ عالم کے دربار سے پا چکے تھے۔ یہاں اسی کے مطابق عزت افزائی ہوتی رہی۔ انھوں نے بھی ایسے ایسے قصیدے نواب بہادر کی تعریف میں لکھے جو آج تک گل سرسبد معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی معلومات شاعرانہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا ایک ایک اعتراض کے سَو سَو جوابات دیتے تھے۔ جو آجتک اُن کے دیوان میں موجود ہیں اور انھیں سے اُن کی ظریف المزاجی اور بذلہ سنجی کا پتہ چلتا ہے۔ جو آگے چلکر ہم درج کریں گے۔ سودا عالم شباب سے پیری تک لکھنؤ میں رہے۔ اور ۱۱۹۵ھ میں یہیں پیوند خاک ہو گئے۔

میر ضاحک جو میر انیس کے پردادا تھے ان کے زبردست حریف تھے۔ خدا معلوم کس بات پر چل گئی تھی کہ اِدھر اور اُدھر دونوں طرف سے ہجووں کی بھرمار رہتی تھی۔ مگر

زمانہ نے میر ضاحک کی محنت کو خاک میں ملا دیا سودا کی کہی ہوئی ہجویں اب تک موجود ہیں۔ چنانچہ یہ ترجیع بند میر ضاحک کی ہجو میں ہے۔

جا صبا ضاحک سے کہہ بعد از سلام | کیوں کیا کرتا ہے ہجو خاص و عام
آپ کو کہتا ہے تو سید ہوں میں | جد مرا پوچھو تو ہے خیر الانام
پس دکھا تو اب کسیکی ہجو میں | ہو اگر ختم رسالت کا کلام
کون ہے تیری سیادت کا مقر | جانتے ہیں خاص سے لے تا عوام
تیرے والد کو ہوئی تپ ایکسال | تب حکیموں نے یہ تشخیص تمام
دق سمجھکر یہ دوا تجویز کی | شیر خر با قرص کافور ایکدام
مول لے ایک مادہ خر پینے لگا | ہر سحر اس شیر خر کا بھر کے جام
آخر کار اس مرض کے بھی لئے | وہ جو مادہ خر تھی اسکی آئی کام

ریم سوزاک پدر ہے تو شریر
رحم مادر سے اُلٹ نکلا ہو میر

سُن تو ٹک اے نصف انسان نصف خر | ہمنے کیا سیّد نہیں دیکھے مگر
بیش و کم تجھ میں نہ دیکھا عقل و حمق | نطفہ کی ترکیب کا ہے یہ اثر
گھر سے اپنے کھا کے جاوے جسکے ہاں | جاتے ہی مانگے ہے اس سے ماحضر
عقل کہتی ہے کہ کھاوے پر نہ کھا | حمق کہتا ہے کہ حیضے سے نہ ڈر
سیّد اے میر مثلث آپ کو | کہنا آتا ہو کے بے خوف و خطر

ریم سوزاک پدر ہے تو شریر
رحم مادر سے اُلٹ نکلا ہو میر

ایک دوسری ہجو جو میر ضاحک کے متعلق لکھی ہے دیکھئے۔ متانت پناہ مانگتی ہے ظرافت انگشت بدنداں ہے۔

ضاحک کی اہلیہ نے ڈھول اپنے گھر دھرایا بیوجہ رات ساری ہمسایوں کو جگایا
بیٹھک میں بیٹھ بوڑھے چونڈے کو جب ہلایا تب شیخ سدو اسپر غصہ کو کھا کے آیا
بولا کہ کیوں بے ضاحک بکرا کوئی منگایا

ضاحک نے تب کہا یوں تم نے زبان نکالی بے آج کو کہا ہے کل دیگے مجھکو گالی
بکرے کی شکل یا نتو نے گوری ہے نہ کالی بی بی کو اور تم کو گھر دیکھے ہے خالی
بکرا وہ دے گی تمکو جن نے کہ سر چڑھایا

میراں یہ سن کے بولے پھر کہیو کیا کہا جی ہیں اس سوا نہیں کچھ اور حرف جانتا جی
بکرا اگر نہ آیا چھوڑوں گا گر چچا جی گالی تو اک طرف ہے یہ سن رکھو بچا جی
آگے ہے ڈھول دہیا میں تم کو کہہ سنایا

ضاحک نے تب کہا یوں مجھ پہ پاس کیسے کوڑی گر کے تو گلگلے ہیں اور تیل کی پکوڑی
میٹھا کرو جو منھ کو دھیلے کی ہیں گنڈوڑی تب شیخ سدو بولا سنتا ہے اے نگوڑی
بھینسا ہی لیکے چھوڑوں خاطر میں کیا تو لایا

دمڑی میں منھ کو میٹھا تجھ کو ہمارے کرنا دو تیل کے پکوڑے آگے ہمارے دھرنا
گاے اپنی پر نہ دیکھا بھس کا ہمارے بھرنا بکرا نہ لوں نہ بھینسا پر جی میں لوں تو وارنا
تب جانے گا تو بھڑوے پیروں کو میں منایا

بڑھاپے کی شادی پر ایک مخمس لکھا ہے جس سے ان کی انتہائی ظرافت کا پتہ چلتا ہے دیکھئے۔

نائن کہے ہے شرم سے دولھا ہے سرنگوں اب کیونکہ تیل زرد مقدس کو میں ملوں
شانہ کروں میں ریش کو یا وسمہ سے رنگوں جی کی امان پاؤں تو اک بات میں کہوں
منھ کو کلنگ اپنے لگاتے ہیں شیخ جی

القصہ شیخ جی کی جو حرمت خدا گنوائے بارہ برس کی چھوکری یا جا بجاتے لائے

آے دولھن کے گھر سے جو منھ مقنع میں چھپاے جیسا ہمارے کہنے کو خاطر میں وہ نہ لاے
اپنے کیے کو تیسا ہی پاتے ہیں شیخ جی

تھے بسکہ شیخ بات سے دنیا کی پاک صاف سو اک لیکے جورو سے کرنے لگے زفاف
اُن نے تب اپنی چوٹی سے یہ کھولکر مباف مشکیں انھوں کی جکڑ کے کہا کیجے معاف
مجھکو تو کچھ ولی نظر آتے ہیں شیخ جی

لایا غضب ہیں شیخ کے گھر کا یہ بندوبست مشکیں تڑا پلچ گئے جورو سے کرکے جست
بال اسکے اُن کے ہاتھ پہ ریش انکی اسکے دست عہدہ لیسے برنہ آسکے تھے از لبس ضعیف و پست
پاپوشیں تب سے جورو کی کھاتے ہیں شیخ جی

جورو سے شیخ جی کو یہ صحبت ہے اب مدام بھڑاو مسخراد مچھندر رہے ان کا نام
خلوت میں جب بلاتے ہیں اسکو بوقت شام دیتی ہے تب وہ بھیجکے لوگوں سے یہ پیام
بیٹی کو اپنی کیوں یہ بلاتے ہیں شیخ جی

یہ تو ہیں بوڑھے خرس وہ ہے شوخ چلبلی ماری کبھو تو ڈھول کبھی اڑھا نپچ لی
ان کو تو جانتی ہے کہ ہیں شیخوں میں ولی کھلتی ہے ان کی جورو کی تب اسطرح کلی
پھولے نہیں بدن میں سماتے ہیں شیخ جی

جب دیکھتی ہے وہ کہ ہے برسات کی ہوا دس بیس دن جھڑی کو ہوے منہ نہیں کھلا
آتی ہے اُن کے پاس لیے تیل اور توا کہتی ہے یہ نہ مانیے گا آپ اب برا
ہم تمکو شیخ دو ندہ بناتے ہیں شیخ جی

جب گھونگھٹ نگہ وہ بہن کے چلے ہی لٹکتی چال آتا ہے شیخ جی کے تئیں اس سدا یہ جال
عمامہ سر سے پھینک کے ہو جاتے ہیں ٹٹ بال تب مسکراتی ہے یہ کہتی ہے وہ چھنال
اب ہمکو اپنی چاہ جتاتے ہیں شیخ جی

اک دن نہ شیخ جونے کو جورو سے جا اڑے کہنے لگی کہ تم ہو بڑوں کے مرے بڑے

اب بس ڈپٹی رکھو کہیں جو کانہ گر پڑے ڈرتا نہیں ہے اب مجھے تو اپنے جھڑ و منہ بڑے

کہہ دن ابھی دولے سے ستاتے ہیں شیخ جی

ایسی ہے بے ادب خدا سے بھی نہ ڈرے آکر کے شیخ جی کے مصلے پہ ہگ بھرے
شانہ کو اُنکے ڈاڑھی کے بالوں میں کرے یارب کہ وہ چھنال شتابی سے اب مرے

ورنہ ہمارے ہاتھ سے جاتے ہیں شیخ جی

جو رو کہے ہے شیخ سے لے شیخ تم سنو کچھوے کو تم نے دی ہے دغا جیسے ہو سو ہو
میں جانتی ہوں تمکو کہ تم فیلسوف ہو سودا زیادہ کیا کہے ہے بات گو مگو

جیسے ہیں تیسے جوتیاں کھاتے ہیں شیخ جی

کسی مولوی نے فتویٰ دیدیا کہ کوّا حلال ہے - سودا کو ظرافت کے لئے ایک مسالہ ہاتھ آیا فوراً ایک ہجو لکھ ڈالی - اور وہ وہ اوکھیاں سنائیں کہ آج تک دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں -

لشکر کے بیچ آج یہی قیل و قال ہے کھانے کی چیز کھانے کا سب کو خیال ہے
یوں دخل امر و نہی میں کرنا محال ہے جو فقہ داں ہیں سب کا یہ اُن کا خیال ہے

اک مسخرا یہ کہتا ہے کوّا حلال ہے

حامی انھوں کے قول کا ہووے ہے چاند خاں اور دوسرے میں کیا کہوں اک اپنے مہرباں
کچھ شک رہا ہے کوے کی حلت میں دریاں ہمسے جو کوئی پوچھے تو ہم بھی کہیں کہ ہاں

اک مسخرا یہ کہتا ہے کوّا حلال ہے

یار دلبسو ہو تم اسی دیر خراب میں بیٹھا اٹھا کرو ہو سدا شیخ شباب میں
حلت رکھے ہے زاغ کسو بھی کتاب میں جتنی کتب ہیں فقہ کی اُن کے جواب میں

اک مسخرا یہ کہتا ہے کوا حلال ہے

بگڑا ہے آج مجتہدوں بیچ کیا نیل ملا لطیف بولے کہ کھانا ہے چیل

کہتا ہے چاند خاں کیا کن نے حرام نیل　　　　حلت پہ مینڈکی کی میاںجی کی سو دلیل

اک مسخرا یہ کہتا ہے کوا حلال ہے

فدوی اک پنجابی شاعر تھے رسمی معلومات شاعرانہ بھی اچھی خاصی تھی۔ اتفاق سے اُن سے اور سودا سے کچھ بحث ہوگئی۔ سودا نے اس غریب کی اتنی ہجو کی کہ عاجز آگیا۔ اُسنے بھی مجبوراً ایک کُند تلوار ہاتھ میں لی یعنی سودا کی ہجو میں اشعار کہے مگر نہ وہ اس زمانہ میں مشہور ہوے اور نہ کہیں آج اُن کا پتہ ہے۔ سودا کے دیوان میں وہ ہجو بھی موجود اور محفوظ ہے۔

جہاں میں کون بناتا ہے اُلّو بننے کا　　　　کسی سے بن کوئی آتا ہے اُلّو بننے کا

بہت ہی جان کھپاتا ہے اُلّو بننے کا　　　　بنا مجھی کو یہ آتا ہے اُلّو بننے کا

کہ فدوی جگ میں کہاتا ہے اُلّو بننے کا

کیا ہے خرچ بنانے میں اُسکے میں یہ ہنر　　　　نہیں ہے اصلی و نقلی میں فرق ذرہ بھر

جو اور بوم ہو سو مادہ یہ لگے ہے نر　　　　جو راہ باٹ میں آتا ہے صبح و شام نظر

کہے ہے خلق وہ جاتا ہے اُلّو بننے کا

میں کاریگر ہوں اٹاوہ کا سب ہے ظاہر　　　　جو کچھ کہے کوئی کرتا ہوں پیٹ کی خاطر

وہ بوم بننے میں گر نقص ہے ہو کچھ ماہر　　　　تو اُسکی شکل کروں اور جانور کی پھر

عجیب شور مچاتا ہے الو بننے کا

غرض کہ اسی طرح ایک مولوی صاحب کشمیری کی ہجو میر ملتفت کی مذمت مرزا فاخر مکین کا خاکہ مولوی ندرت کشمیری کی لڑکی کی تذلیل اور تضحیک اُن کے یہاں موجود ہے جو بوجہ طوالت کے نہیں لکھی جائیں۔

اگرچہ یہ کہنا زیادتی ہے کہ ہجو بھی داخل ظرافت ہے۔ مگر اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہجونگار بھی تمام مسخراپن اور ٹھٹھول طعن و طنز و تشنیع کے ذرایع کام میں لاتا ہے اور

اور اسی سے ایک صورت ظرافت کی پیدا ہو جاتی ہے یہی سبب ہے کہ ہم نے سودا یا دوسرے ہجوگویوں کو بھی شریک تذکرہ کیا۔ ورنہ ظرافت اور ہجو کا ظاہری فرق کون نہیں جانتا

سوزنی - بابا سوزنی قزوین کے رہنے والے تھے۔ اگرچہ ایک زبردست شاعر تھے۔ مگر ظرافت ہجو کی طرف طبیعت بیحد مائل تھی۔ چنانچہ ایک قطعہ جو ایک شخص کی ہجو میں کہا تھا یہ ہے۔

اے خیرہ بے تمیز بزندق بوندو عک　　بے رزق و کاخ خوار و لگد کوب تی تپک
گہ خوار و چوں کلاغ و سیّہ رُوے چو غراب　　غربلیہ گرچہ صعوہ دچوں ماکیاں کرک

....

ہر صبح باد گوز بہ پشت قشوں قشوں　　ہر شام باد...... پلک پلک

سوز۔ تخلص سید محمد میر نام تھا۔ میر درد۔ سودا۔ و میر کے معاصر تھے۔ دلّی میں ایک محلہ قراول پورہ میں مکان تھا۔ ان کے بزرگوں کا اصلی وطن بخارا تھا۔ اور ان کے والد نہایت بزرگ تھے۔ اور تیر اندازی کی مشق کمال کو پہنچائی تھی۔ میر سوز اپنے نام کے آخری حصہ کی رعایت سے میر تخلص کرتے تھے۔ مگر میر تقی میر کی خاطر ان کو وہ تخلص چھوڑ کر سوز اختیار کرنا پڑا۔ اسی بات کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

کہتے تھے پہلے میر میر تب ہوئے ہزار حیف　　اب جو کہیں ہیں سوز سوز یعنی سدا جلا کرو

دلّی کی تباہی اور بربادی کے بعد لکھنؤ چلے گئے تھے۔ مگر یہاں مدتوں قدر نہیں ہوئی یہ مرشدآباد چلے گئے۔ جب وہاں سے پھرے تو نواب آصف الدولہ ان کے شاگرد ہوئے مگر موت نے زیادہ مہلت نہ دی سنہ ۱۲۱۱ھ میں پیوند خاک ہوئے۔

درویش مزاج۔ عالی طبع۔ بلند حوصلہ۔ نیک طینت۔ خوش گفتار آدمی تھے

کلام میں سادگی۔ صفائی۔ روانی کو زیادہ ملحوظ رکھتے تھے۔ اور تخییل کے مقابلہ پر بھی یہی چیسنز زیادہ اُن کے یہاں پائی جاتی ہے۔

وہ ظریف المزاج تھے۔ طبیعت میں مذاق۔ اور دل میں ظرافت کا جوہر۔ دماغ میں بذلہ سنجی کی ہوا موجود تھی یہی وجہ تھی کہ وہ کبھی کبھی ظریفانہ شعر لکھ جاتے ہیں۔ لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ اُن کی سادگی اتنی بڑھ جاتی ہے متانت کی حد میں نہیں رہتی۔ اور میں یہ کہتا ہوں کہ وہ بقول صاحب طبقات الشعرا ایک ظریف الطبع شخص تھے طبیعت کا رجحان اِدھر تھا۔ وقت بیوقت مختارانہ۔ یا بے اختیارانہ اُن کے قلم سے ایسے اشعار نکل جاتے تھے جنھیں اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ درجۂ تہذیب یا متانت سے گرے ہوے ہیں۔ اُن کی ظرافت دستورِ زمانہ کے موافق ہزلیات۔ اور فواحش کی حد تک کبھی نہیں پہونچی۔ زبان کی سادگی۔ اور اندازِ بیان کی شگفتگی ایک ایک حرف سے ظاہر ہوتی ہے اور اس بات کی یہاں تک اُن کے یہاں پابندی ہے کہ میں جس کو ظریفانہ کہتا ہوں اگر کوئی میرا حریف ہو تو وہ اُسی کلام کو عاشقانہ اور متین ثابت کرسکتا ہے۔

گئے گھر سے جو ہم اپنے سویرے　　سلام اللہ خاں صاحب کے ڈیرے
وہاں دیکھے کئی طفل پریرو　　ارے رے رے ارے رے رے ارے رے

سنتے ہی سوز کی خبر مرگ خوش ہوا　　کہنے لگا کہ پنڈ تو چھوٹا بھلا ہوا

بھلا رے عشق تیری شوکت و شان　　بھائی میرے تو اڑ گئے اوسان

گیا ایک دن اُسکے کوچہ میں ناگاہ　　لگا کہنے چل بھاگ رے پھر نہ آنا

دُعا دی تو لگا کہنے کہ دُر ہو　　سنی میں نے دعا تیری دعا کی

کہا میں نے کہ کچھ خاطر میں ہوگا　　تمھارے ساتھ جو میں نے وفا کی
گریباں میں ذرا منھ ڈال دیکھو　　کہ تم نے اس وفا پر ہمسے کیا کی

تو کہتا ہے کہ بس بس چونچ بند کر — وفا لایا ہے دُت تیری وفا کی

کچھ کہہ تو قاصد آتا ہے وہ ماہ — الحمد للہ الحمد للہ
جھوٹے کے منہ میں آگے کہوں کیا — استغفر اللہ استغفر اللہ

یار آتا ہے ترے یار کی ایسی تیسی — آزماتا ہے ترے پیار کی ایسی تیسی

پھر اتنی بات سنتے ہی رو کر کہا کہ حیف — طوطا ہمارا اُڑ گیا کچھ بولتا ہوا
یار گر صاحب وفا ہوتا — کیوں میاں جان کیا مزا ہوتا
چلتر سُن نیا عیار کا تو — زبردستی مرا دل لے لیا ہے
چُھپا مٹھی میں کہتا ہے کہ لو میاں — ہمارے ہاتھ میں بوجھو تو کیا ہے

جسقدر اشعار لکھے گئے یہ انتخاب ہیں اُن انتخابوں کے جو اہل تذکرہ نے کئے ہیں مجھے افسوس ہے کہ میرے پیش نظر اُن کا دیوان نہیں ہے۔

سوزاں ۔ منشی حبیب الدین نام تھا ۔ خواجہ معین الدین سہارنپوری کے فرزند تھے ۔ ابتدائے شباب کے ساتھ ہی دل میں حُسن پرستی کا مادہ پیدا ہوا اور سوز و گداز عاشقانہ طبیعت میں جوش زن ہو گیا ۔ وطن کو چھوڑا دلی میں آئے اور مرزا غالب کے شاگرد ہوئے اور مرزا مرحوم کی حیات تک دلی ہی میں رہے ۔ مگر اُن کے انتقال کے بعد یہاں جی نہ لگا اور پھر وطن مالوف چلے گئے ۔ اگرچہ مفلوک الحال رہے ۔ مگر افلاس میں بھی زندہ دلی نہ گئی ۔ وہی آن بان آخر وقت تک رہی جو اوّل میں تھی تا اینکہ ۱۸۸۹ء میں شمع حیات صرصر اجل کے جھونکوں سے خاموش ہو گئی ۔

آپ صاحب تصنیف و تالیف ہیں چنانچہ تاریخ عجیب حالات حکماے یونان تریاق سموم تاثیر القلوب۔ اور گنج شائگاں مختلف علوم و فنون میں آپ کی تصنیف سے ہیں بعض کتب راقم تذکرہ نے بھی دیکھی ہیں خوب لکھی ہیں۔

ایک مختصر دیوان شایع ہوا تھا۔ دوسرا تیار ہے وہ شایع نہیں ہوا۔ کلام اگرچہ متین زیادہ ہے۔ مگر اسی متانت میں ظرافت بھی شامل کر دیتے تھے۔ چند شعر مل سکے جو ہدیہ ارباب نظر کئے جاتے ہیں۔

دھو سکے تو اپنے دل کا داغ دھو	شیخ منھ کو ہر گھڑی دھوتا ہے کیا
توبہ کا ارادہ تو ہمارا بھی ہے اے شیخ	لیکن ذرا آجاے بڑھاپا ابھی کچھ اور
آنکھیں پھوٹیں ہاتھ ٹوٹیں جستے دنیا میں	نہ چشم عشوہ زا دیکھی نہ ساق نازنیں پکڑی
سنکے بیماری سوزاں کی خبر از رہ درد	لگے کہنے کہ بڑھاپا ہے خدا خیر کرے
سر و سامان نہیں ہمسے مہیا ہوتے	ورنہ فرعون تو کیا اسکے بھی باوا ہوتے

سیّد۔ مولوی محمد بخش نام تھا۔ قدما میں سے ہیں مولف تذکرہ خمخانہ جاوید نے ایک بیاض سے چند شعر لکھے ہیں۔ یہ پتہ نہیں چلا کہ کہاں کے رہنے والے تھے۔ اور کب تھے میں بھی عرف اشعار نقل کرتا ہوں۔

شاہ صاحب تم دغا بازوں سے ہم ڈرتے نہیں	دیکھکر جیاں جبہ اور جھولی آپ کی
ہم فریب ذات والا سے بہت آگاہ ہیں	کیا ہوا ظاہر ہے صورت بھولی بھالی آپ کی
کام کر نکلے نہ تھے جو کچھ ہمارے سو گئے	بھنگ چھانی رات دن افیون گھولی آپ کی
خاصے آزادوں کے حلقے میں داخل ہیں میاں	سیکھ لی ہیں پیاری باتیں اور بولی آپ کی
پھر کرم فرما یہاں اے شیخ جی مت ہو جیو	کل فضیحت سخت اس محفل میں ہولی آپ کی

حرف شین معجمہ

شاہی۔ گیلان کی رہنے والی ایک فاحشہ عورت تھی۔ شاعری کا شوق بہت زیادہ تھا۔ مگر افسوس کہ اپنے افعال کی طرح اپنے اقوال کو بھی فواحش سے علحدہ نہ رکھتی تھی حتیٰ کہ جسقدر کلام اُس کا میری نظر سے گذرا اُس میں سے ایک شعر بھی ایسا نہیں جو فحش نہ ہو اور انتخاب میں آسکے۔ لہذا صرف اسی نام پر اکتفا کرتا ہوں۔

شوخ۔ تخلص ہے منشی حسن جعفر صاحب لکھنوی کا۔ جب میں نے جیم کی ردیف لکھی تھی اُسوقت آپ جوکر تخلص کرتے تھے لہذا وہیں آپ کا نام اور کلام لکھا گیا۔ اب چونکہ آپ شوخ تخلص کرتے ہیں اس لئے تذکرۃً یہاں نام لکھدیا گیا ہے۔

شرف۔ افسوس کہ مجھے آپکے نام سے اطلاع نہیں شاید رائے بریلی۔ یا بارہ بنکی کے ضلع کے رہنے والے ہیں۔ پہلے کسی ریاست میں منیجر تھے اب ہومیوپیتھک علاج کرتے ہیں اکثر لکھنؤ آتے رہتے ہیں۔ راقم الحروف کے جاننے والوں میں ہیں۔ اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں۔ کلام دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ ظرافت بھی اور عاشقانہ متین بھی۔ ظرافت میں نمک کم ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی بعض شعر نکل آتے ہیں۔ آپ کی اسوقت عمر تخمیناً ۵۰ برس کی ہوگی میں نے دو چار مرتبہ آپ سے آپ کے کلام کے لئے استدعا کی۔ اور آپ نے شد و مد کے ساتھ وعدہ بھی کیا۔ مگر افسوس کہ وہ وعدہ شاعرانہ وعدہ بنکر رہ گیا۔ دو چار شعر جو ادھر ادھر سے مل سکے وہ درج کرتا ہوں۔

ساغر لئے ہوے کبھی مینا لئے ہوے
آتا ہے روز ایک تماشا لئے ہوے

آئے ہیں آج غیر کو لیکر وہ میرے گھر
سامانِ انبساط ادھورا لئے ہوئے

شاکی سید اکبر حسین نام ہے۔ ضلع الہ آباد کے رہنے والے ہیں۔ مدتوں سے بسلسلہ ملازمت لکھنؤ میں قیام ہے۔ پہلے اودھ اخبار میں مترجم تھے۔ اب حقیقت اخبار میں کام کرتے ہیں۔ آپ شیعی المذہب ہیں مگر نہایت بے تعصب اور نیک آدمی ہیں۔ فارسی قابلیت بھی کافی ہے۔ اور سخنگوئی کی مشق اپنے درجہ کمال کو پہونچ چکی ہے ظرافت اور عاشقانہ دونوں رنگوں میں طبع آزمائی فرماتے ہیں اور دونوں میں خوب خوب شعر کہتے ہیں۔ ظرافت میں اکبر الہ آبادی مرحوم کا اتباع کرتے ہیں۔ راقم الحروف کے شناسا ہیں۔ کلام عنایت فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ مگر شاید عدیم الفرصتی کی وجہ سے ایفا نہ فرماسکے۔ چونکہ اخبارات میں آپ کا ظریفانہ کلام اکثر شائع ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے دو ایک شعر نمونتاً اخبار حقیقت سے نقل کرتا ہوں۔ شاکی صاحب ایک پرگو شاعر ہیں۔ اسوقت عمر تخمیناً پچاس برس کی ہوگی۔

ہے تو اچھا قوم کی خدمت گوارا کیجئے
اپنے توی درد کا دنیا میں چرچا کیجئے

قوم کے جلسوں میں جا کر کیجئے تقریر خوب
پر اثر مضمون اخباروں میں چھپایا کیجئے

اس سے جب فرصت ملے حل کیجئے قومی امور
یا کوئی اسکیم چندہ کی مہیا کیجئے

ہاں مگر ہرگز نہیں ہے اب یہ شرط لیڈری
قوم کا بڑھتا ہوا افلاس دیکھا کیجئے

ہمنے مانا ہو گئے ہیں آپ بھی نباض قوم
اس ہماری مفلسی کا تو مداوا کیجئے

یہ نہیں ممکن تو شاکی ہے یہ سب بیکار غم
اس سے تو بہتر ہے گھر میں بیٹھے رویا کیجئے

لالہ انگریزی میں جب فائق ہوئے
مغربی تہذیب کے شائق ہوئے

باپ کو کہنے لگے مائی ڈیر
واہ کیا لائق یہ نالائق ہوئے

شیخ نے یکہ کیا لالہ نے بیچا تیل گڑ
وہ پھرے ور ور تو یہ کرتے ہے بنا پیل

چھ مہینے بھی نہ گذرے تھے کہ یہ نوبت ہوئی
ان کا یکہ بک گیا اور لے لیا لالہ نے مول

شمشاد - شاید غلام پنجتن نام ہے اٹاوہ کے رہنے والے ہیں - ظرافت گوئی کا شوق ہے مگر ظرافت ہزل اور فواحش کے درجہ پر پہونچ جاتی ہے حتی کہ مجھے جسقدر کلام آپ کا ملا اس میں ایک شعر بھی ایسا نہیں تھا جو غیر مہذب الفاظ سے خالی ہو۔ مجبوراً نام پر اکتفا کی -

---

شوق حافظ غلام رسول نام تھا - دلی کے رہنے والے تھے - ویسے ہی شعر کہتے تھے جیسے پہلے لوگ کہا کرتے تھے یعنی غزل میں آدھے شعر عاشقانہ اور آدھے ایسے کہ جنھیں دیکھکر آج سامان تفریح مہیا ہوتا ہے - بہت ممکن ہے کہ ظرافت کی طرف مائل ہو قلعہ سے کچھ تنخواہ مقرر تھی محلے کے شوقین نوجوان لڑکے اصلاح بھی لیتے تھے - اور کچھ لے دے کر غزلیں کہلوا لیا کرتے تھے - ذوق مرحوم کو انھیں کے یہاں سے شعر سن سن کر بچپن میں شاعری کا شوق پیدا ہوگیا تھا شاہ نصیر وغیرہ کے معاصر تھے - نمونہ کلام یہ ہے -

مزا انگور کا ہے رنگترے میں
عسل زنبور کا ہے رنگترے میں

ہیں اشعار ہلالی اس کی پھانکیں
یہ مضمون دور کا ہے رنگترے میں

نہیں ہے اسکی پھانکوں میں یہ زیرا
یہ لشکر مور کا ہے رنگترے میں

ہے گلگون مجسم یا بھرا خوں
کسی مہجور کا ہے رنگترے میں

مزاج اب جسکا صفراوی ہے اے شوق
دل اس رنجور کا ہے رنگترے میں

کر کے لک فرنگاں چشم ستمگر آکے جگر میں کھوپ لگی
آہ کہ ہمدم ساتھ ادھر سے جنگ

وعدہ کیا تھا شام کا مجھسے شوق جنھوں نے کل دن کو
آج وہ آئے پاس مرے

فاقہ مست عدو بڑا ایسا ہی چھٹی کار جا ہے	نانی جس کی آئی چھٹی میں
شیخ نگھارے اپنی شیخی مفت کے لقمے کھاتا ہے	دودھ ملیدا

شوکت - مجدد السنۂ مشرقیہ مولانا احمد حسن میرٹھی مرحوم کا تخلص ہے آپ کی قابلیت اور معلومات مسلم تھی - اور ملک کے نہایت موقر شعرا و اہل قلم میں آپ کا شمار ہوتا تھا - عربی و فارسی میں فاضل بے بدل اور عالم بے مثل تھے - مدتوں تک ملک کے ظریفانہ اخبار طوطی ہند میرٹھ کے ایڈیٹر رہے - جس میں سیکڑوں مضمون ظریفانہ آپ کے قلم سے نکلے اور ملک میں مشہور ہوئے - غالب - مومن - خاقانی وغیرہ کے مشکل کلام کی شرح کی طرف پہلے آپ ہی نے توجہ منعطف فرمائی تھی - آپ کا عاشقانہ متصوفانہ ہر رنگ کا کلام موجود ہے اسی کے ساتھ ظرافت میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا - اور اس میں بھی آپ نے دلگلکاریاں کی ہیں جو قابل دید ہیں - بھاشا کی معلومات بھی نہایت کافی تھی - نمونہ کلام یہ ہے -

پادری تثلیث پر ناحق ہیں غش	تین میں سے دو نہیں ہیں کام کے

شہدا - دلی کا رہنے والا تھا - احسان کا شاگرد تھا زیادہ حال معلوم نہیں ہوا چند شعر مل گئے - وہی درج کرتا ہوں -

کیا ہی عاشق ہے بت طناز پہ سانڈ	دوڑتا صاف چلا آتا ہے آواز پہ سانڈ
ناتوانوں کی ترے سامنے کچھ قدر نہیں	کیا کوئی چاہئے عاشق ترے انداز پہ سانڈ
لے گیا دل کو بغل میں داب کر	بے وفا ڈاکو نہیں ہے چور ہے
ننگا ہی کر و دفن مجھے اپنی گلی میں	ایسا نہ ہو لیجائے کفن کوئی کفن چور
میں غم سے گھلا جب تو وہ غیروں سے یہ بولا	کیا دیکھتے ہو اسکو کہ ہے اسکا بدن چور
اپنے دل محزوں کو میں کس کس سے بچاؤں	ظالم کی نظر چور کمر چور دہن چور

میاں مجھکو ستانا پر ذرا یہ بھی سمجھ لینا ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ جو تو عیار ہے بیرحم ہے تو میں بھی شہد ا ہوں

شہباز۔ اسم گرامی مولوی عبدالغفور تھا۔ اورنگ آباد کے کسی کالج میں پروفیسر تھے۔ اردو کے بڑے زبردست نثار اور زباں دان تھے۔ آپ نے نظیر اکبر آبادی کے کلام پر نظر ثانی کر کے اس کو ترتیب دیا۔ وہ مجموعہ نولکشور پریس میں نہایت بہتر حالت میں چھپا تھا۔ اُس کے ساتھ ہی نظیر اکبر آبادی کی سوانح عمری ۱۸۹۲ء میں ترتیب دی۔ آپ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ مجھے نظیر کے کلام سے عشق تھا۔ اس کا ثبوت اس سوانح عمری سے ملتا ہے۔ میں نے جتنی مرتبہ یہ کتاب دیکھی عبارت میں ایک نیا لطف آیا عقیدتمند لوگوں کا قول ہے کہ آبحیات مولوی محمد حسین آزاد کی عبارت بے مثل ہے۔ اس میں شک نہیں مگر شہباز کی عبارت سے اس کو کوئی نسبت نہیں اس میں اُن کی زباندانی اور شیوا بیانی نے حرف حرف میں موتی جڑ دیئے ہیں۔ دلکش عنوان انوکھا طرز بیان نُورٌ علیٰ نُور ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ اگرچہ اُن کو نظیر کے حالات کا حقہ مل نہیں سکے ہیں پھر بھی انھوں نے ان کے کلام سے مدد لیکر سوانح عمری کو مکمل کر دیا ہے اور اسقدر صحیح استدلال کیا ہے کہ بلا تشبیہ وہ مولوی محمد حسین آزاد کی غلط بیانیوں سے بڑھ گیا ہے۔ ہر حالت کا ایک منظر دکھا دیا ہے۔ اور کتاب کو آئینہ حالات نظیر بنا دیا ہے۔ زباندانی کا یہ کمال ہے کہ ایک ایک حرف کے متعدد مرادفات۔ ایک ایک جنس کی مختلف انواع اور نام۔ اگر دیکھا جائے۔ اور انصاف سے کام لیا جائے۔ تو اُن مدعیانِ بے خبر کے لئے جو زبان کے بارہ میں شب و روز دنا و لا غیری کا وظیفہ رٹا کرتے ہیں یہ ایک تازیانہ عبرت ہے۔

مولانا شہباز ظرافت کے مرد میدان تھے۔ اکبر کے رنگ میں اودھ پنچ سابق میں اُنکی وہ وہ نظمیں چھپی ہیں جن میں بہت کچھ اکبر کا رنگ موجود ہے۔ میں کچھ اشعار نقل کرتا ہوں۔

مولانا شہباز آخر عمر میں کلکتہ میں رہتے تھے۔ اور نواب سید محمد خاں آزاد کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ عرصہ ہوا کہ انتقال ہو گیا۔

تہذیب قیس

لیلیٰ کے کہنے سننے سے آخر کو قیس نے
لکھوایا نام نجد کے انگلش سکول میں

اے بی کے بعد پڑھنے لگا ایسی ریڈریں
تعلیم خوش معاشی ہے جن کے اصول میں

نپٹا مٹر میں دیکھتا تھا انبساط کو
پاتا تھا انقباض فعولن فعول میں

از بر تھے یوکلڈ کے تھیورم پرابلم
اقلیم حافظہ تھی گرامر کے رول میں

تھا تکیہ کلام کی صورت زبان پر
کیا جانئے کیا مزا تھا بھرا ڈیم فول میں

القصہ انٹرنس ہوا پھر ہوا ایف اے
بی اے - ایم اے کے پاس بھی آئے حصول میں

ہمت بڑھی کہ کیجئے بیرسٹری بھی پاس
رہکر عرب میں وحشیوں کے ہوں شمول میں

لندن گیا تو اوک میں پانی لگا مزا
حاصل تھا وہ جو نجد کے بن کی ببول میں

آئی نظر جو اوک کی کرسی پہ ایک مس
کھٹمل کی طرح عشق گھسا دل کی چول میں

بال اسکے سر پہ صاف شعاعیں تھیں مہر کی
ریشم کو جو شمار کریں جنس اول میں

گردن شکست دیتی تھی ظبی الفلاۃ کو
قامت وہ بانکے سرو کو ابھرا تھا طول میں

پھل سیب نے لگائے تھے قامت کے شاخ میں
رنگت بھری تھی روز ان عارض کے پھول میں

دیکھا جو یہ بجا رہے قیس کے حواس
لگتی نہیں ہے دیر بلا کے نزول میں

مجنوں کو دھن کہ جلد ہوں وہ سکی وصال
میری پڑی تذبذب ردّ و قبول میں

میری کورٹ شپ کا بڑھا تازہ ذوق شوق
لیلیٰ کا عشق کہنہ ملا خاک دھول میں

شہباز ہے کلام کا اکبر کے یہ جواب
لیکن بڑا ہے فرق فروع و اصول میں

قانون قسمت

ہمنے پوچھا یہ اپنی قسمت سے
دور کیوں ہمسے گنج مطلب ہیں

کالی رنگت ہے کیا مخل اسمیں
کالی رنگت سے گز ہیں شب ہیں

شب ہی کو ہے سدا چمکتا چاند ۔۔۔ شب ہی کو جگمگاتے کوکب ہیں
کالی رنگت سے تل ہیں نقطۂ زیب ۔۔۔ جن سے روئے بتاں مزیب ہیں
کالی رنگت سے گیسوئے جاناں ۔۔۔ لیلۃ القدر سے مخاطب ہیں
کالی رنگت سے ابروئے خمدار ۔۔۔ تیغ و خنجر ہیں جفت عقرب ہیں
کالی رنگت سے پتلیاں دونو ۔۔۔ چشم کے آسمانپہ کوکب ہیں
رنگ کے زیب سے مسی کاجل ۔۔۔ راحت چشم و زینت لب ہیں
کسطرح دیں جگہ نہ آنکھوں میں ۔۔۔ فائدے کحل کے مجرب ہیں
زیب دیتا ہے تن پہ کالا سوٹ ۔۔۔ متفق اسپہ کل مہذب ہیں
ہجر اسود کے مذہبی بوسے ۔۔۔ بوسۂ لعل سے بھی اعذب ہیں
پاک کعبے کے کالے کالے غلاف ۔۔۔ سرمۂ چشم دین و مذہب ہیں
گوری رنگت ہے گر سبب اسکا ۔۔۔ ہم میں بھی کالے کم نہین سب ہیں
رنگ ابیض سدا نہیں مطبوع ۔۔۔ ورنہ کیوں داڑھیاں مخضب ہیں
ڈرتے ہیں داغ برص سے یوں لوگ ۔۔۔ جیسے مبروص کے معذب ہیں
شکل سے سنکھیا شکر کی ایک ۔۔۔ جتنے ابیض ہیں کب سب اعذب ہیں
فرض کرلیں سفید کو گر دن ۔۔۔ دن بھی خالی کسوف سے کب ہیں
پتلیاں گر سپید ہوجانہین ۔۔۔ ہر قدم پر قدم مذبذب ہیں
رشتہ مند دل میں خول اگر ہو سفید ۔۔۔ لاکھ اقرب ہوں پھر بھی عقرب ہیں
رنگ نقرہ برا ہے گھوڑو نمیں ۔۔۔ اسپہ شاہد صفات مرکب ہیں
اجلے سے ہے سہاگنیں بیزار ۔۔۔ کیونکہ رنگیں سہاگنیں سب ہیں
سچ بتا اسپہ کیوں تو رنجی ہے ۔۔۔ ہمسے غمزے ترے یہ کیوں اب ہیں
بولی قسمت فضول سب تقریر ۔۔۔ ایسی باتیں نظر میں کب ہیں

کالے گورے پہ کچھ نہیں موقوف　　دل کے آنے کے اور ہی ڈھب ہیں

معذرت انگریزی

ایک مرغے نے یہ مرغی سے کہا　　لوٹتی ہے خاک پر کیوں بے تمیز

ہنسکے مرغی نے دیا اس کو جواب　　جسم پر ملتی ہوں پوڈر اے عزیز

بولا مرغا ہے یہ پوڈر کیا بلا　　بولی مرغی ہے یہ اک فیشن کی چیز

پوچھا مرغے نے کہ ہے فیشن یہ کیا　　بولی مرغی بچہ کمفرٹ وایز

ڈانٹا مرغے نے کہ انگریزی نہ بول　　بولی مرغی مرغی تیرے سر پہ ہے ڈیئر

مرغا جھنجھلایا کہ پھر پھر پھر وہی　　مرغی بولی چپ بھی رہ اے بدتمیز

وہ زباں جو ہو زبانوں کی کوئن　　بولی وہ ہے جسکی ہر بولی کنیز

چھوٹ سکتی ہے چھڑائے سے کہیں　　جبتلک ہے کوٹ پتلون اور قمیز

حبذا شہباز کا حسن کلام　　مرحبا باغ فصاحت کی بریز

پادری ولیم نے احمد سے کہا　　لو پڑھو انجیل سے سیکھو تمیز

بولا احمد اس کی اب حاجت نہیں　　پڑھ چکا ہوں میں تو صاحب سٹریز
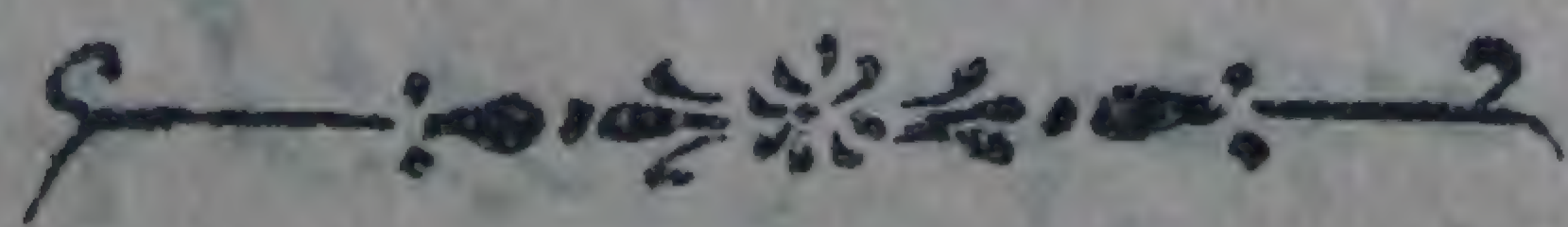
حرف ضاد

صاحبقران تخلص امام علی نام تھا۔ باپ کا نام سید غلام حسین رضوی تھا بلگرام ضلع ہردوئی کے رہنے والے تھے۔ جرأت اور انشاء کے معاصر تھے۔ ریختی۔ ہزل ظرافت۔ ان کے کلام میں سب موجود ہیں۔ مگر افسوس کہ اعتدال کو مدنظر نہیں رکھتے تھے بلکہ اکثر جگہ کلام فحش کے درجہ تک پہونچ گیا ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ مولف تذکرہ گلشن بے خار نے ان کا ذکر لکھتے ہوئے لکھا ہے۔ "شرم و حجاب از دلش براحل دور۔ و طبعش از آداب و اخلاق مہجور۔ ہر چند داب جامع ایں اوراق نیست کہ عیاذاً باللہ کسے را بہ بدی نام برد۔ اما درخصوص اینکس نظر بفحش دہنش خلاف عنوان ناخواست حرفے چند از نوک خامہ بر صفحۂ نامہ ثبت گردید" صاحبقراں کے یہاں مضامین دلکش کی کمی نہیں۔ مگر فواحشات نے اسطرح ان کے کلام کے حصوں کو گھیر رکھا ہے جسطرح کہ گلاب کے پھول کو کانٹے گھیر لیتے ہیں۔ گلچیں کی دسترس نہیں ہوتی کہ بے باکانہ انکی طرف ہاتھ بڑھائے۔ دیوان ان کا غیر مطبوعہ نہایت تلاش سے کہیں کہیں ملجاتا ہے چنانچہ میں نے سخت محنت اور تلاش کے بعد اُن کا دیوان تلاش کر کے نہایت محنت سے چند اشعار منتخب کئے۔ جو درج کرتا ہوں۔

کملو یہ لگی کہنے مری دیکھ کے حالت　　شہوت سے نہ کر چاک گریبان ادھر آ
دیگر عرق کموہ کا بادا بدل لیا　　صندل کا ریت دیکے بُرادا بدل لیا
یہ روز چال سیکھی ہے کملو نے اندنوں　　بازی جو دیکھی مات پیادا بدل لیا

صاحبقراں وہ لعل سا دل لگا ہے رخ سے — کملو نے جان کر مجھے سادا بدل لیا

سُنا جو چکلے میں کہتی تھی ہر جوان سے پیر — زمانہ چاہا گیا جب تلک جمال رہا

رات روشن سے اندہیر میں کوئی کچھ کر گیا — اس ہی گرمی کو سنکر میں ہنسی سے مر گیا

دمبدم لڑتی ہے کشتی مجھسے جو خم ٹھونک کر — ریچھ والا کیا کوئی تعلیم تجھکو کر گیا

چھپکے جو کرتی تھی اسکو برملا کرنے لگی — خوش ہوے مہتاب جب اس پاس سے شوہر گیا

میں تو چکلے میں ڈر گیا جاکر — کوئی ماکھو بنی کوئی بیچپا

آج صاحبقراں کی آمد ہے — چوکیوں پر بچھاؤ غالیچپا

جہاں آیا کوئی مفلس کے گھر میں ملنجی ہوکر — ہزاروں بار رکھوا ٹھہے پانی پائخانے میں

وہ موٹا سالدا جو بھینس پہ بھوری کے بیاہ میں — غیرت سے بیل ڈوبتے پھرتے ہیں چاہ میں

جوبن کو نورتن کے یارو شتاب لوٹو — آئی ہے حج یہ کرکے دوڑو ثواب لوٹو

سنتے ہیں میکدے سے نورن چلی ہی حج کو — اب نو سو چوہے کھاکے بلی چلی ہے حج کو

چتون غضب ہے ننہی کی ہے بے مثال آنکھ — چھوٹے سے سن میں اسکی بڑی ہے چھنال آنکھ

کملو مجلس سے کوئی ٹلتی ہے — میری چھاتی پہ مونگ دلتی ہے

زاہد نے کرتہ نیلا رنگا یا بسنت میں — جورو سیہ میں کیا اُٹھیں پڑہ البنت میں

ایک میں کڑھتا ہوں اپنے یار جانی کیلئے — ورنہ سب روتے ہیں خالہ اور نانی کے لئے

پدوڑوں میں وقات کٹتی ہے اپنی — کبھی توپ اور توپ خانا نہ جانا

جو پوچھا کہ صاحبقراں سے ہے واقف — تو بولی کہ ایسے کو جانا نہ جانا

کانوں کی اپنے بالی اومیری بھولی بھالی — ہاتھوں سے کیوں چھپالی اومیری بھولی بھالی

باریک سا دوپٹہ لازم ہے گرمیوں میں — اوڑھا نہ کر نہالی اومیری بھولی بھالی

منھ سے بڑا نوالہ کلہ کو پھاڑتا ہے — باتیں نہ کر رزالی اومیری بھولی بھالی

جس میں کہ چاہ سے تو کھاتی ہو دال خشکا — تھوری ہے یا سفالی اومیری بھولی بھالی

جو دیکھتا ہے سر کو پتھر سے مارتا ہے — ہونٹوں کی تیرے لالی او میری بھولی بھالی
صاحبقراں کی خاطر لازم ہے ہمنے مانا — راون کی ہے تو سالی او میری بھولی بھالی

نہیں لگتی جو مفلسوں کے ہاتھ — سخت وہ قحبہ مالزادی ہے
وہ نہ کیونکر چلے غرور کی چال — بھڑوا شیطان جسکا ہادی ہے
اس کو پالا ہے اک زمانے نے — نہ کوئی دادا ہے نہ دادی ہے

گر اسی کا نام گرمی ہے تو ہم ٹھنڈے ہوے — دمبدم گالی ہے اور بیزار اٹھتے بیٹھتے
وہ ہاتھ میرے آئے احسان آپکا کیا — پکا جو بیل یار وکھے کے باپ کا کیا
جسکا بسے کہتے ہیں اندر کا اکھاڑا ہے — پریوں پہ نہ عاشق ہو جائے گا دیوانہ
میں نے صاحبقراں پوچھا کہ تمسے بوسہ پر — کس کے بوسہ کا نشاں ہے تو کہا مجھکو کیا
بے خزاں حسن کا گلزار نہیں رہنے کا — یہ سدا غنچے اور پیار نہیں رہنے کا
رات کہتی تھی گنا بخشی سے — دل ہے صاحبقراں میں میرا
وہ سادگی تری نہ ہی اب نک غرور — چینی کی تشتری میں ترا ہی بال آگیا
مجھے بھاتا ہے جنگلو کا نشہ میں — بہکنا لڑکھڑانا اور مٹکنا
رنگ غصہ سے ہو گیا نیلا — دیکھ نورن کا مکر اور حیلا
اسکی بھینٹی کو پکڑ میں نہ ٹلا بیٹھ گیا — چیخی اسطرح وہ چرخ کہ گلا بیٹھ گیا
کل ہنستے ہنستے اسکے دامن پہ ٹانگ ڈالا — مطلب نکال لیتے ہیں ہم باتوں بات اپنا
قدر کر چاہنے والوں کی اری سنتی ہے — جب گیا حسن دوبارہ نہیں پھر آئیگا
چھاتی پہ اسکی جب سے ہاتھ اپنا جا پڑا ہے — دل میرو دزد ستم صاحبدلاں خدارا
مجھے برفی سوا بھاتا نہیں کچھ — پڑا ہے جب سے ان میٹھوں سے پالا

آگے لونڈوں کے سبب سینہ مرا چاک ہوا
اب جو رنڈی سے لگا ملنے تو سوزاک ہوا

جفت رہنے کا اپنے طاق رہا
نفس شوہر اپنا طاق رہا

جونکوں کی طرح لو ہو پیا کرتی ہو دن رات
منھ لال ترا کیوں نہوا یجاں غنچا کا

کہا جو میں نے کہ سنتو کہیں گھر میں ہو
وہ ہنسکے بولی مجھے سندیسا ہوا نہوا

اگر ہاتھ آئے بھی ننھی سی چوہیا
میرا کیلا کب کھائے ننھی سی چوہیا

مہنگا دوں چھچھوندرا سے چھیڑنے کو
الہیا اگر گائے ننھی سی چوہیا

اچھل کر رکابی سے لیجائے بوٹی
جو کھانے کی بو پائے ننھی سی چوہیا

نقد دل اپنا لگے مانگنے عاشق سارے
قدر جاتی رہی جسبو قت دالا نکلا

رستم کی اگرچہ ہو نواسی
جب وقت پڑے تو دغا کیا

کسبی کہنے ایک سے ہیں ہم تم
کیا غیر وہاں اور آشنا کیا

شیخ جی بھول کے جو بیٹھ گئے غایت کو
جب فراغت ہوئی کہنے لگے ہاں ہاں لوٹا

ترا دشمن کڑک مرغی کی مانند
رہے ٹاپے میں غم کے تا قیامت

ہاتھ میں نے نہ لگایا تھا اسے خطرہ سے
دھر دیا اسنے زبردستی پکڑ ہاتھ پہ ہاتھ

مت مجھکو بہکانا آج
صدقے جاؤں آنا آج

تجھکو میری قدر نہیں
اتنا میں نے جانا آج

گدھے کو اپنے دھوبن ہانکتی جاتی ہو ٹخ ٹخ ٹخ
وہاں سے لاد کر کپڑوں کو پھر آتی ہو ٹخ ٹخ ٹخ

نہ دھرمٹ ہو نہ پٹہ ہو کہروا ہے نہ ٹھمری ہے
کہیں جو مست ہوتی ہو تو پھر گاتی ہو ٹخ ٹخ ٹخ

اب تو صاحبقراں لڑا یا کر
گھوڑے سے گھوڑا سانڈ سے سانڈ

گوز ہے یا کہ ہو صاحبقراں آندھی آئی
ایک پھسکی میں اڑاتے ہیں پڑوے پتھر

عیاں الفت نہ ہو شیریں لبوں کی
میاں بہتر ہے کھانا گڑ چھپا کر

کہیں صاحبقراں تو عقد کرلے
نہیں رہنے کی بے شوہر اجا گر

بیوفاؤں کے نام پر پاپوش اُن کے اخلاق خام پر پاپوش

آشنا رسوا کیا محبت نے آشنائی کے نام پر پاپوش

کہا کملو نے کچھ بھڑکا کے اپنی جو انو بیچتی ہوں بیل تو بیل

خر گوش تیرا ہوش میں سانبہ سے کم نہیں ہر خانہ زاد تیرا اچھندر سے کم نہیں

گو سوکھ سا کھ ظالم اچور ہو گئی ہے لیکن ہوے نہ ابتک ٹاٹ ردکے دانت کھٹے

دیکھو بھوری پہ موہا عاشق ہے پدمنی بھینس چوہا عاشق ہے

مرد کب چھوڑتے ہیں رنڈی کو گھوڑی کیسی ہو گھوڑا عاشق ہے

روز لاتا ہے ماش کی بوری کیا کروں میں پدوڑا عاشق ہے

رات سنگی دیکھکر میری طرف کہنے لگی اس نگوڑی کی تو کچھ صورت ہے پہچانی ہوئی

تھا یہی کافر کہ کل جسنے ستایا تھا مجھے خوش ہوئی بس آج میں اسکی مسلمانی ہوئی

میکدے کے رہنے والوں سے نہ بولا کیجئے میکدے میں آپ بس افیون گھولا کیجئے

بند ہو جریان کب امساک سے سیل رک سکتی نہیں خاشاک سے

گھورتا عینک سے ہے صاحبقراں کب اُٹھائے ہاتھ اپنی تاک سے

صاحبقراں سے مغلو کہتی تھی نہ خفا ہو ہر گز نہیں میں لایق تیرے چھوڑنے کے

میں جانتی تو بوسہ تجھکو نہ دیتی ہرگز یہ تیز دانت تیرے قابل ہیں توڑنے کے

کہا صاحبقراں نورن سے میں نے ہماری سمجھیو تو عیب پوشی

خفا ہو کر لگی کہنے کہ چپ رہ جواب جاہلاں باشد خموشی

صاحبقراں کل گئے تھے چکلے ناگاہ لیکن نہ کسی پہ ڈالی شہوت کی نگاہ

پر جب ہوا احتلام بولے حضرت لاحول ولا قوۃ الا باللہ

صاحبقراں اپنی اوسط عمر میں لکھنؤ آ گئے تھے اور یہاں نواب آصف الدولہ مرزا سلیمان شکوہ وغیرہ کی سرکاروں میں ملازم رہے اور تاحین حیات زندگی بفراغت

گزاری - جس کا جا بجا اُن کے کلام سے پتہ چلتا ہے - وہ ایک مرنجاں مرنج ہنسوڑ رنگیلے مزاج کے آدمی تھے اُن کے قال سے اُن کے حال کو کوئی نسبت قریبی نہیں تھی -

---

صفدر - آپ نے اپنے نام کے جزو اول کو تخلص قرار دیا ہے - مرزا پور آپ کا مولد و مسکن تھا - مگر بہت عرصہ سے لکھنؤ میں قیام ہے - اور یہیں شادی بھی کرلی ہے آپ ایک نیک مزاج بھولے مگر نہایت کہنہ مشق اور زود گو شاعر ہیں - بہت سے معرکوں میں آپ نے نہایت عمدہ عمدہ شعر کہے ہیں - اور حریفوں کو تاب مقابلہ سے عاجز کر دیا ہے - متین مہذب نیک دل ہیں معلومات شاعرانہ بقدر ضرورت کافی ہے - تین چار کتابیں مشاطۂ سخن - مرقع ادب وغیرہ آپ کی تالیفات سے ہیں جو نہایت مقبول ہیں ہر صنف سخن میں کلام موجود ہے - آپ کے معاصر آپ کی طبیعت خداداد سے ہمیشہ آپ سے چلتے رہتے ہیں - مگر اس سے کچھ ہو نہیں سکتا آپ کی مشق سخن گوئی کو تقویت پہونچتی ہے - اگرچہ آپ کا کلام قدیم رنگ میں بہت زیادہ ہوتا ہے - مگر پھر بھی دد بجائے خود ایک چیز ہے - اور اگرچہ یہ دعوی دور از کار ہے کہ ہمیشہ ہر مشاعرہ میں آپ ہی کی غزل اچھی رہتی ہے یہ غلط اور بیکار ہے - مگر تاہم اکثر شعر اچھے ہوتے ہیں - منشی امیر احمد مرحوم کے شاگرد تھے اُن کے انتقال کے بعد جلیل صاحب اور ریاض صاحب خیرآبادی سے اصلاح لی - اور اب بھی اکثر اپنی غزلیں ریاض صاحب کو دکھاتے ہیں راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں کبھی کبھی مکان پر تشریف لاتے ہیں - ظرافت مستقلاً آپ کے کلام میں نہیں ہوتی مگر کبھی کبھی تفنن طبع کے طور پر کچھ نہ کچھ فرماتے ہیں - نمونتاً چند شعر حاضر ہیں جو انھوں نے میرے اصرار پر خود عنایت فرمائے تھے -

جناب عشق بھی اب بوریا بدھنا سنبھالے ہیں — کوئی عاشق نہیں ملتا پریشاں حسن والے ہیں

یہ وہ بڑھیا ہے جس پر ہمسے لاکھوں مرنے والے ہیں — خدائی بھر سے نخرے زال دنیا کے نرالے ہیں

ابے او پیر گردوں غیر کے ارمان نکالے ہیں
ہمیں چکر میں رکھتا ہے ہمیں نے ٹالے بالے ہیں

جو کھڑکی سے تمھاری ونٹ سی گردن نکالے ہیں
یہی لیلےٰ کے بھائی ہیں یہی مجنوں کے سالے ہیں

بندر بھبکی دکھائینگے رقیب رو سیہ ہم کو
سنا ہے آجکل تمنے نئے بندر یہ پالے ہیں

تماشہ ہے کہ ٹیں ہوتے پہ بھی ہے چاٹ بونگی
میاں مجنوں زباں جیسی نکالے تھے نکالے ہیں

خم ابرو کسی کا دیکھکر بدہو میاں بدلے
ہجاڑوں موڑ اس ہنسیا سے تونے کاٹ ڈالے ہیں

سمجھ کر مٹی کا بوا مرا دل توڑ ڈالا ہے
بڑے ہی ننھے منے ہیں بڑے ہی بھولے بھالے ہیں

خدا رکھے طویل المرتبہ قار دل سے بھی یہ ہیں
جو تہمد باندھتے ہیں اور لمبی داڑھی والے ہیں

کوئی ڈھنیا جو ملجاتا تو گل تکیہ میں بنواتا
تمھارے گال کیا ہیں جانمن روئی کے گالے ہیں

کہاں بے موسم گل دھجیاں اُڑتی تھیں دامن کی
کہاں اب بی بہار آئی ہیں اور وحشت کے لالے ہیں

تمھاری نائکہ بے طرح اب جھوتی لگاتی ہے
بلا سے پٹ رہے ہیں ہاتھ تو گردن میں ڈالے ہیں

نقاہت یہ مگر وعدہ کوئی سچا نہیں کرتے
جناب شیخ بھی شاید گیا کے رہنے والے ہیں

گل عارض لئے بیٹھے ہیں بازار محبت میں
کروں کس کس کا میں سودا ہزاروں پھول والے ہیں

بھلا دو چار خم میں حضرت صفدر کا کیا ہوگا
پلائے جا انھیں ساقی اگر دُہت پینے والے ہیں

شب فرقت عدوے جان سر بستر نکلتے ہیں
لہو پینے کو کھٹمل کاٹنے مچھر نکلتے ہیں

خدا محفوظ رکھے زال دنیا کی محبت سے
اسی بڑھیا کے مارے نوجواں اکثر نکلتے ہیں

کیا ہے بند ارمانوں کو اپنے دل کی کھڑکی میں
تمھیں آ کر نکالو دیکھوں تو کیونکر نکلتے ہیں

ملے جسدن مجھے وہ چاند بی گنجی کر کے چھوڑوں گا
گلی سے آپکی اغیار کیوں ہو کر نکلتے ہیں

دیار عشق میں اے رشک لیلیٰ ہو نہ وہ دیوانہ
میاں مجنوں بھی لیکر ہاتھ میں پتھر نکلتے ہیں

زمانہ دیکھتا ہے ہم گڑے سب جاتے ہیں غیرت سے
جو تجھے پردہ نشیں وہ ہانکتے موٹر نکلتے ہیں

نچاتے ہیں حسیں عشاق کو زلفوں میں بل دیکر
انھیں کے گھر سے انساں بن کے گھن چکر نکلتے ہیں

بچائیں اپنے اپنے جھونپڑے کہدو رقیبوں سے
مرے پُر سوز نالے پھونکتے چھپر نکلتے ہیں

بھلا فیشن کا ہو پردہ نشینوں کا یہ عالم ہے — سر بازار سینہ کھول کر تنکر نکلتے ہیں
یہ چپٹ سالئے کی کہتی ہے اک کمسن کی بادٹیچر — پری بننے کو ہیں نام خدا اب پر نکلتے ہیں
رپٹ تھانے میں لکھی ہے تلاشی ہے قیبونکی — گلی میں شہ چھڑا[1] کے آپکے زیور نکلتے ہیں

جناب شیخ اس پیرانہ سالی پر بھی اے صفدر
بتوں کے گھورنے کو دیر سے اکثر نکلتے ہیں

[1] شاہ چھڑا کی گلی لکھنؤ میں ایک محلہ ہے ۱۲

آل احمد سرور

حرفِ ضاد معجمہ

ضاحک تخلص ہے مولانا میر غلام حسین کا جو میر حسن صاحب مثنوی سحر البیان کے والد اور میر انیس مرحوم کے پردادا تھے۔ علم عربی و فارسی کے فاضل تھے ناظم و ناثر نہایت اچھے تھے۔ درویش مزاج نیک خو توکل پیشہ شیعی المذہب بزرگ تھے۔ دنیا کے تعلقات قطع کرکے تیس پینتیس برس تک آزادانہ زندگی بسر کی۔ موسیقی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کا شوق بدرجۂ اتم تھا اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ مگر ناقدردان زمانہ کے رنگ اور کس مپرسی نے دل توڑ دیا تھا۔ اسی وجہ سے قدیم رنگ عاشقانہ کو ترک کر دیا تھا۔ اور ہزل گوئی اپنا شعار بنا لیا تھا مگر اسمیں بھی زبان عجیب و غریب ایجاد کی تھی میر حسن مرحوم نے لکھا ہے کہ وہ زبان ہے جو آدم سے لیکر اب تک کسی متنفس نے استعمال نہیں کی۔ مولوی ساجد کی ہجویں اور مرزا رفیع سودا کی ہجویں ایسی ایسی کہیں جسے اہل زمانہ سنکر پھڑک پھڑک گئے مگر افسوس کہ اُن کا کلام ضائع ہو گیا۔ اور اب کہیں بھی نہیں ملتا چالیس پچاس شعر کی غزل اور ہزل کہتے تھے اس کے شروع میں تھوڑی سی نثر بھی لکھتے تھے۔ ہزل کا صرف ایک مطلع ملتا ہے وہی نقل کرتا ہوں۔

یا ایہا التلانکہ کرد جہلانکہ　　کل تو بچی پر ابیہ فرو بکاسرہ

ضاحک نام و مقام معلوم نہیں اودھ پنچ سابق میں دو شعر کا ایک قطعہ اس تخلص سے ملا وہی نقل کرتا ہوں۔ یہ اپریل ۱۹۰۵ء کے اودھ پنچ میں شایع ہوا تھا

اس زمانہ کی یادگار ہے جب لارڈ کرزن نے ہندوستانیوں کو جھوٹا کہا تھا۔ اور اسی مفہوم کے لئے اکبر مرحوم الہ آبادی نے یہ رباعی کہی تھی۔

جھوٹے ہیں ہم تو آپ بھی ہم پر ہیں مہرباں　　جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

قطعۂ مذکورہ ضاحک یہ ہے۔

ہمارے لارڈ صاحب خیر خواہ ہند ہیں بے شک　　غلط کل مصلحان سفارت انگیز کہتے ہیں
برابر ہے ہماری پالیسی اور لاٹھ صاحب کی　　کہ دونوں ہی دروغ مصلحت آمیز کہتے ہیں

اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا قطعہ اسی بحث پر مصلحت انگیز کے نام سے لکھا ہوا ہے غالباً وہ بھی انھیں ضاحک کا ہے۔

کل راہ چلتے چلتے سچ کو ملا جھوٹ راہ میں　　قلعی شدہ ہو جیسے کوئی لعبت مسی
پوچھا کہ ایشیا ہی میں کیا ہے ترا رواج　　میری طرف سے کیا ہے ہیں صرف بے حسی
کہنے لگا کہ یاں تو ہے سچا معاملہ　　یورپ میں جا کے دیکھے کوئی میری پاسی

ضیغم۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامعلوم الاسم نامہ نگار کا تخلص ہے جن کے یہ دو شعر مل سکے۔ غالباً شیر خاں نام تھا۔

آں شیر بیشہ اسد اللہیاں منم　　روباہ را حریف غضنفر نمی کنم
کو مرغ سدرہ کو زغن تعر نیستی　　طوبے بہ شاخ سرو برابر نمی کنم

حرف طائے مہملہ

طریف - منشی حسین الدین نام تھا - ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے - صرف ظرافت کے شعر کہتے تھے جن میں پھکڑپن بہت زیادہ شامل ہوتا تھا - ایک بیاض سے چند شعر مل گئے - لیکن اسکے علاوہ نہ حال معلوم ہوا - نہ مقام و مسکن کا صحیح پتہ لگا

آج ہی گھر کا رقیبوں کے مٹادوں آثار | اُن کی دیوار پہ جا بیٹھوں جو اُلّو ہو کر
ہمہ تن جوش بنا حسن سے تیرے یعنی | رہگیا سارا جہاں بیچ مُسبھالو ہو کر
نیکیاں بھی کبھی ہو جاتی ہیں اسرزد مجھسے | کام تیسے کا بھی کر لیتا ہوں کدو ہو کر
پیٹ زندان مصیبت ہے زمانہ میں طریف | جو غذا اس میں گئی نکلی وہی گو ہو کر
نوچ کر دہ رہزن دل بوٹی بوٹی لیگیا | پہلے ٹوپی لیگیا تھا اب لنگوٹی لیگیا
کر دیا قلاش القصہ تمھارے عشق نے | انتہا یہ ہے کہ بندہ آکے روٹی لیگیا
دل کی خارش کو بھی اک زخم بنا جاتے ہیں | جب وہ آتے ہیں نمک مرچ لگا جاتے ہیں
مرا بستر ابے سر رہگذر ہے | نہ مچھر کا غم ہے نہ کھٹمل کا ڈر ہے
مرے طائر دل کو کیا یہ کیجئے گا | فقط چونچ ہے اسمیں پر ہے نہ دُر ہے

طرزی - ان کی ظریفانہ شاعری کا بہترین جوہر ظرافت یہ ہے کہ انھوں نے دعوی کیا تھا کہ زبان فارسی بھی اس قابل ہے کہ عربی زبان کا مقابلہ کر سکے - اُس کے اسما کو بھی مصادر قرار دیا جا سکتا ہے اور اُس سے مختلف صیغوں کا اشتقاق بوجہ احسن ہو سکتا ہے - اسی خیال کی بنا پر انھوں نے اپنی زبان اور شاعری کو اس خیال

اور صنعت پر مبنی کر دیا تھا - مگر نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کمالات اور خیالات ارباب ادب کے نزدیک ظرافت بن گئے اور اُن کی شاعری سے ظریف شاعروں میں ایک فرد کا اضافہ ہو گیا - اسی کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ طرزی ایک خوش طبع ظریف المزاج بذلہ سنج شاعر تھے رندان بادہ نوش - اور مستان امارد پرست کے لیے شعر کہتے تھے - اور اسی مذاق کے لوگ اس کو گلی گلی اور کوچے کوچے شہر میں گاتے پھرتے تھے - نمونہ کلام یہ ہے -

در دیدۂ من آ کہ بہی از ثقلینا   پر کردہ ام از مہر تو جیب و بغلینا
جز وصل تو مطلب دلم نیست نگارا   گر دنیا و عقبی رہ ہیم فی المثلینا
با من دلخستہ اے دلدار ہنگیدن چرا   تو غزال گلشن حسنی پلنگیدن چرا
با مسلمانان مسکیں کافریدن بہر چہ   با گرفتاران مستضعف فرنگیدن چرا
تا آفتاب چہرہ عیانیدۂ مرا   اے نو بہار حسن خزانیدۂ مرا
الا اے مہ کہ زلفت می کمندد   دل من در کفت می مستمندد
بدفع چشم اعدا اے تو طرزی   دل خود را در آتش می سپندد
تا ابروے تو دیدہ جنونیدہ ایم ما   نشناختند خلق کہ چونیدہ ایم ما
قامت خمید و دل چو نقطہ شد سیاہ داغ   از عین و شین و قاف تو نونیدہ ایم ما
گہ در فراق روے تو کاہیدہ ایم ما   گہ چوں کتاں ز حسن تو ماہیدہ ایم ما
افتادہ دل بچاہ زنخ ساقیا ز لطف   حبل المتیں زلف کہ چاہیدہ ایم ما
در جنب رحمت تو بود در حساب ہیچ   ہر چند بے شمار گناہیدہ ایم ما
اگر بے تو ہرگز شرابیدہ باشم   بکانون ہجرت کبابیدہ باشم
خور و خواب بر من حرامیدہ باشد   اگر در غمت خورد و خوابیدہ باشم
گر از جملہ چاکرانم شماری   ز لطف تو عزت مآبیدہ باشم

حرف ظاء معجمہ

ظرّاف شیخ نور محمد نام ہے۔ شاید محلہ حسین گنج لکھنؤ میں قیام ہے۔ معمولی سے پڑھے لکھے آدمی ہیں اور ایک مرتبہ حسین گنج کے مشاعروں میں دیکھا ہے۔ مرزا محمد ذکی سے جن کا اسی تذکرہ میں ذکر آچکا ہے تلمذ رکھتے ہیں۔ بعض بعض شعر اچھے کہہ لیتے ہیں۔

صدا یہ دیتے ہیں وہ ختم اب جوانی ہے — خرید لو گاہکو سودا دکان بڑھانی ہے
تلاش دل جو تھی چھلنی لئے پھرا برسوں — تمھارے کوچہ کی اک عمر خاک چھانی ہے
ہیں لوٹنے کے حکیموں کو خوب نسخے یاد — جو اب عشق میں معجون لن ترانی ہے
محاورہ ہے یہ کتنا فصیح سنیے گا — ذرا سا کیوں میاں ہنستا منک بیٹھانی ہے
کفن میں جو تہ دوں سے اپنے باندھے پھرتا ہوں — سنا ہی جب سے کہ دنیا یہ دار فانی ہے
گھٹا گھٹا کے سر آتا ہی غیر واہ رے شوق — بنی جبیں یار کے جوتہ پہ کا مدانی ہے
نہ ہے کسی سے موافقت نہ کوئی اپنے مرے — میں جس پہ مرتا ہوں مفلس سا اک کرانی ہے
ادھر حسین ہوئے بیٹھے کوئی دکاں کھولی — صدا وہ دیتے ہیں شربت بھی زعفرانی ہے
دبا کے دیکھتے ہو آنکھ اثر ہے صحبت کا — ضرور شیخ جی جورو تمھاری کانی ہے
تما لے گئے سرکار لاد کر غلّہ — شکم میں آپ کے گھر میں مرے گرانی ہے
کہیں نہ آپ کو اس دل لگی میں ہو خفت — نہ کھینچیے کہ لنگوٹی بڑی پرانی ہے
ہے صدقہ آپ پہ آپ اپنے کیوں نہیں مرتے — غضب کی آپ کے ظراف پر جوانی ہے

ظریف۔ میراماں اللہ نام تھا لاہور کے رہنے والے تھے۔ لیکن چالیس برس تک

وطن سے علیحدہ رہے اور دلی یا بنارس میں قیام رہا۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ نہایت عمدہ ظرافت گو تھے۔ مگر افسوس کہ ظریفانہ رنگ کا کلام نہ مل سکا۔ ترتیب تذکرہ گلستان سخن کے وقت زندہ بخیریت تھے۔

ظریف۔ سید ظریف حسین نام ہے ظریف تخلص ہے۔ قصبۂ تسہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ہیں ۱۹۱۵ء میں دلی میں تھے۔ اب کا حال معلوم نہیں۔ چند شعر ظریفانہ ان کے دستیاب ہوئے وہ درج تذکرہ کئے جاتے ہیں۔

تمھاری چاہ مبارک ہے عدو کے لئے ... اگر یہ چاہنے والے ہیں آخ تھو کے لئے
پڑھی نماز تیمم سے ہم نے دلی میں ... ٹکلے کو آتی ہے بدہنی یہاں وضو کے لئے
بتائیں کیا تمھیں صرف کثیر شوق جمال ... ہزار جوتیاں ٹوٹیں اک آرزو کے لئے
ازل سے تم نے نہ کی اپنے فائدہ پہ نظر ... کہ جتنے چاہنے والے لئے وہ بھو کے لئے
ملو جو غیر سے تو اس سے پوچھنا یہ بات ... چلن کے چوک ہے کس کے لئے شلو کے لئے
تمھارے لال کا دامن نکل گیا مریم ... منگا کے سوزن عیسیٰ رکھو رفو کے لئے
ظریف ہے یہ تمنا ظریف کو دیکھیں ... تڑپتا رہتا ہے دل اپنا لکھنؤ کے لئے

محبت اپنی بیوی سے یہ دروازہ ہے ایماں کا ... بھٹکنا چار سو اچھا نہیں ہوتا ہے انساں کا
نہٹے مارتی ہے اسپہ بچے پیار کرتے ہیں ... تعلق کس قدر گہرا ہے بلی اور انساں کا
بہت ہی سخت ہے پردہ کے بارہ میں میری بیوی ... ڈپٹتی ہے اگر دیوار سے بچے نے بھی جھانکا
جہاں بخیہ کیا ہے سارے دامن میں محبت سے ... لگا دو اچھی بھابی تم گریباں میں بھی ٹانکا
بھلا منجھلی بہو کیونکر نہ سب کے دل میں گھر کر لیں ... اطاعت اُن کی دیکھو اور غصہ نانی اماں کا

ظریف - سید مقبول حسین نام ہے مولوی گنج لکھنؤ میں رہتے ہیں جناب صفی لکھنوی
کے چھوٹے بھائی اور محمد جعفر صاحب بہار سکریٹری معین الادب کے ساڑھو ہیں -
بقدر ضرورت فارسی اور ترکی سے آشنا ہیں - نہایت خلیق نیک مزاج ہیں اس سے
پہلے شیعہ یتیم خانہ کے سکریٹری تھے - مگر دو تین سال سے اب کوئی تعلق اس سے
نہیں ہے - جناب ظریف کی عمر اب تخمیناً ۵۵ یا ۶۰ برس کی ہوگی - حقیقت یہ ہے کہ
آپ کی ظرافت وہ ظرافت ہے جس کا نشان بڑے بڑے پختہ کاروں کے کلام میں بھی
نہیں ملتا - اس میں شک نہیں کہ بہ نسبت آمد کے ان کے کلام میں آورد بہت زیادہ
ہے - اور لفظ لفظ سے بناوٹ اور تصنع ظاہر ہوتا ہے - قدیم تشبیہیں اور استعارات
جابجا موجود ہیں - اور کہیں کہیں دائرہ ظرافت سے علیحدہ ہو کر کلام ہزل سے
بھی مماثل ہو جاتا ہے - مگر باایں ہمہ ان کی پختہ کاری مشاقی - زباندانی - اور خلقی ظرافت
کلام کو مجموعی حیثیت سے اسقدر بہتر بنا دیتی ہے کہ تعریف نہیں ہوسکتی - ان کے یہاں کے
ادنی اور پیش پا افتادہ مضامین ایسے ہیں جن کا مقابلہ بڑے بڑے ظریف نہیں کر سکتے
اور بلا شک ظرافت گوئی میں وہ ہندوستان کے تمام شعرا میں ایک بڑا اور خاص
امتیازی درجہ رکھتے ہیں - ظرافت کے رنگ میں ہر صنف میں ان کا کلام موجود ہے - اور
ان کی بعض بعض بلکہ اکثر نظمیں ایسی ہیں جن کا جواب نہیں ہو سکتا - نہایت خلیق
اعلی درجہ کے سخن فہم ہیں - زبان اردو کے سچے بہی خواہ ہیں - چنانچہ زمانہ حال میں بعض
بعض جریدہ نگاروں نے جو ایک جدید روش اختیار کرکے اردو کو خراب کرنے پر کمر باندھ
لی ہے آپ ان کے خلاف ہمیشہ اخبارات میں نظمیں لکھکر صدائے احتجاج بلند کرتے
رہتے ہیں - میں چاہتا تھا کہ جناب موصوف کا نیا کلام بھی درج کروں - مگر ایسا
اتفاق ہی نہ ہوا کہ اسے حاصل کر سکتا - مجبوراً رنگ قدیم ہی سے کچھ اشعار
درج کرتا ہوں -

جنوں میں کیا کیوں چلا میں چڑ کر بھولا جو دم میرا — حماقت کی نشانی بن گیا نقشِ قدم میرا
شمیم زلف مشکیں سونگھ کر نکسیر پھوٹی ہے — ترے بالوں کی بو سے ناک میں آیا ہے دم میرا
دنورِ شوق میں معشوق کو دے پٹکتا ہوں — کوئی خلوت سرائے ناز میں دیکھے ادھم میرا
ضعیف و ناتواں ہوں مجھکو الفربہ بناتا ہے — مرے بھرپیٹے پن کا ذریعہ ہے قدم میرا
یہ دونوں جانور ملکر اسے کچا ہی کھا جائیں — شتر گربہ کے ڈر سے آ نہیں سکتا ہے ہم میرا
یہاں فرہاد و مجنوں شیخ چلی ہے جو لڑتے ہیں — وہ کہتے ہیں عرب میرا وہ کہتے ہیں عجم میرا
ارے داتا اسے بھرنا نہ بھرنا کام ہے تیرا — مگر کشکول سائل سے مشابہ ہے شکم میرا

فلک نما ہے بلندی میں آبلہ دل کا — جواب شیش محل ہے دو منزلا دل کا
سنا رہے ہیں جو اُن کے معاملا دل کا — پڑا ہوا ہے کھٹائی میں فیصلہ دل کا
علم کسم ابھی دارو ہے درد ملجا ہے — کہیں تو حال للاین سے کچھ للا دل کا
علم میں جھینگر سے بڑھکر کامراں کوئی نہیں — چاٹ جاتا ہے کتابیں امتحاں کوئی نہیں
آپنے ہمسر ہیں کہ جبڑ داں انکو کہنا چاہیے — پیر چرخ یا تو فلک انمیں جواں کوئی نہیں
حضرتِ حوا سے کم کچھ حضرت عیسیٰ نہ تھے — باپ انکا بھی نہیں گر ان کی ماں کوئی نہیں
لکھنؤ دہلی انھیں شہر و نہ کیا موقوف ہے — ہر جگہ اہل زباں ہیں بے زباں کوئی نہیں

مستقیوں کے پیٹ سے آتی ہے یہ صدا — میں اک قرابہ ہوں عرق خانہ ساز کا
شیطان کی جو آنت سے ہوتا مقابلہ — کھل جاتا حال آپ کی زلفِ دراز کا
کچھ ایسی غم و رنج کی ہے کہنہ رضائی — ابرا اگر اُدھڑ آتا تو استر نہ اٹھے گا
اغیار کی شرکت سے اٹھانا بھی تو گراں ہے — ہمسے ترے احساں کا چھپر نہ اُٹھے گا
تا حشر کھڑے ہیں تو یہی بند رہے گا — مردے سے اگر قبر کا پتھر نہ اُٹھے گا

یہ شب کو پوچھ رہا تھا کل اُس سے اک آغا — چراغ کھڑا ہے یہاں تو جہ کار راہ میں ہے
نئی ادا سے نکالی ہے طرز استنجا — کہ خود کھڑا ہے لبِ بام نہار راہ میں ہے
ترا جواب نہیں دوسرا کی بھٹیاری — کہ دال چولھے پہ ہے اور بگھار راہ میں ہے
ظریف ہے وہ بت شوخ کسقدر آزاد — جو سر گھٹا ہے لئے پشت خارہ میں ہے

خیالی ہجر میں فرضی مریض غم کا مرجانا — یہ سب کیا ہے سلامت جھوٹ کے پل سے اتر جانا
دولتی سے سمند ناز کی غیروں کا مرجانا — یہی تو ہے طویلہ کی بلا بندر کے سر جانا
رُخ روشن کی جھریوں حسن کا گویا ٹھٹھر جانا — قیامت ہے کسی معشوق کا سن سے اُتر جانا
مری آہوں کی توپوں کا وہ خالی خولی سر ہونا — وہ اُن کا لاٹ صاحب کی طرح غیظ رنگ کے گھر جانا
مہذب چوٹا پن ہے یہ معشوق خیالی کا — کہ دزدیدہ نگہ سے دل کا لینا اور مکر جانا
مریض ہجر پر فالج کا گرنا سرد مہری سے — وہ آخر تختہ مشق اطبا کا بر جانا
بھگانا دیکھکر انکو وہ سرپٹ اپنے ناقہ کا — میاں مجنوں کا چلانا کہ بی لیلی ٹھہر جانا
جو آنا رتجگے میں گل گلے معجون کے لیکر — ظریف اچھا ہے اردو شاعری کی طاق جانا
پیٹ پکڑے ہوئے عشاق کا وہاں ہونا — اور وہ نالہ و فریاد کا جوڑ واں ہونا
گھر تمھارا ہے نہ کچھ باپ کا اسکے گھر ہے — غیر کے ساتھ مرے گھر میں مہماں ہونا
خوب نقد دل عشاق کو لوٹا تو نے — شہد پن یہ ہے اسے کہتے ہیں سیاں ہونا
یا تو کپڑے بھی پہنا کر کبھی دکھلا دو ہمیں — یا تو باندھا نہ کرو شمع کا عریاں ہونا
نامیقمان وہ دربار پہ میرا پڑھنا — اُن کے چہرے کا وہ غصہ سے گلستاں ہونا
صاف نقطوں میں ہے ملتے ہوئے دانتوں کا ثبوت — دہن یار کا دُرج درِ غلطاں ہونا
در و دیوار یہ کیوں کانپتے ہیں تھر تھر — کیا مرے گھر میں گھس آیا ہے بیاباں ہونا
وہ کفن بہر شہیدانِ وفا دینے لگے — ناپ کر ہر اک کو دو گز کھاروا دینے لگے

منھ پہ چلا کر تشنہ کامانِ محبت کو حضور ۔۔۔ شربتِ دیدار کا پورا گھڑا دینے لگے

جب سے عاشق ہو گئے اُس بُت پہ چوکیدار تک ۔۔۔ سونے والو جاگتے رہنا صدا دینے لگے

جھوٹے عاشق اس سے بڑھکر اور کیا دیتے ثبوت ۔۔۔ ہو گئے گندہ دہن بوئے وفا دینے لگے

پیٹ ضبطِ آہ سے عشاق کا پھولا جہاں ۔۔۔ دھونکنی کی طرح سے نتھنے ہوا دینے لگے

سسکیاں لیں منھ بسورا عاشقوں نے سامنے ۔۔۔ وہ کھسیا کر داد کو داد و فا دینے لگے

اُن کے بیمار دل کا گھنگھرو بولنا جب سن لیا ۔۔۔ جلدی جلدی تال مسٹر کالکا دینے لگے

جب مسیحا سے نہ اچھے ہو سکے بیمارِ غم ۔۔۔ ہو کے کھسیانے سبھوں کو سنکھیا دینے لگے

ترے کپڑوں کی لادی لادنا جب یاد کرتے ہیں ۔۔۔ تو اکثر شب کو دھوبی کے گدھے فریاد کرتے ہیں

ستم ایجاد کہتے ہیں یہ کیوں معشوق کو شاعر ۔۔۔ ستم بھی کیا کوئی کل ہے جسے ایجاد کرتے ہیں

بگولہ ہیں کوئی معشوق آندھی ہیں کہ جھکڑ ہیں ۔۔۔ کہ چلکر عاشقوں کی خاک کو برباد کرتے ہیں

سیہ مستوں کی شادی دخترِ رز کے ساتھ ٹھہری ہے ۔۔۔ مبارک حضرتِ پیرِ مغاں ارشاد کرتے ہیں

یہ وائرلس کوئی بیلی گرام ایسا لگایا ہے ۔۔۔ کہ ہچکیاں آتی ہیں جب وہ یاد کرتے ہیں

حسینو کیا تمہارے باپ کے ہیں ہم غلام آخر ۔۔۔ جو کہتے ہو ظریف اب ہم تمہیں آزاد کرتے ہیں

دلیلِ کمسنی اب اس سے بڑھکر اور کیا ہو گی ۔۔۔ کہ جوڑا پاؤں نہیں اس شوخ کے بچکانہ آتا ہے

صفت تو دیکھئے ہرچند بہت خُردونٹ ہے ۔۔۔ زنانہ یہ پہنکر جامہ مردانہ آتا ہے

پسینہ خالِ رخ پہ ہے یہ تخیل قدیم اُن کے ۔۔۔ گلاب قند میں بھیگا نظر بہدانہ آتا ہے

اذان دیتے ہوئے مرغوں کے آگے پھینک دیتے ہیں ۔۔۔ بتوں کے ہاتھ میں جب سبحۂ صد دانہ آتا ہے

رقیب آئے تو اس سے چھوٹ لڑنے کا ارادہ ہے ۔۔۔ پٹا آتا ہی بانک آتی نہ مجھکو بانا آتا ہے

مسیحا دیکھ جا میٹا بنے بیمارِ محبت کا ۔۔۔ اُسے پیشاب آتا ہے نہ اب پاخانہ آتا ہے

کوئی دلِ بیتاب کو ڈانٹے کہ ٹھہر بھی ۔۔۔ تھالی کے بینگن تو ادھر بھی ہے اُدھر بھی

جھالر نہ لگے کوئی تو اقرار ہے منڈا ۔۔۔ وعدہ ہے وہی جس میں اگر بھی ہو مگر بھی

ہے چوک کا بازار ترے دانتوں کا چوکا
دلال زباں ہے جو ادھر بھی ہو اُدھر بھی

گہہ رُخ پہ نقاب اُسکے ہے گہہ ہاتھ میں تلوار
معشوق وہ معشوق جو ماہ بھی ہو نر بھی

سُن لیجیے بغیر اس کے ہی تشبیہ بھی نازک
عیسیٰ ہیں اگر آپ تو اک پالیئے خر بھی

تحریر کا عنوان نئی تہذیب نے بدلا
معشوق کے القاب میں ہے مائی ڈیر بھی

یہ حسن نرالا ہے کہ دو عضو ندارد
معشوق وہ ہے جسکے دہن بھی ہو کمر بھی

کہتی ہے سدا صاحب مقصود کی ولایت
ترکہ ملے ہمکو ارے جلدی کہیں مر بھی

بلبل کہو تم شوق سے ایسے شعرا کو
ایک چونچ بھی جسکے ہو ظریف اور پر بھی

گو نہ دانی وقت پر ملتی نہیں ہمپر کھلا
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

آپنے الٹی رُخِ روشن سے جالی کی نقاب
میں یہ سمجھا حسن کی دوکان کا شٹر کھلا

اسقدر ہے مختصر چادر معیشت کی ظریف
پاوں پھیلائے فراغت کیلئے جب سر کھلا

دال دہوئی ماش کی کھائی ہے نازک خوبے دوست
بالش و بستر سے مجھکو آ رہی ہے بوئے دوست

کی جو کمیا غیر کی ہیں صاف چار ابروئے دوست
چونہ ہو رہا کلچا ند بشاش ہو گیا اب روئے دوست

عاشقان زرد رو کے طایر دل ہیں مقیم
دو بیسے کے جو رخ ہیں الجھے ہوئے گیسوئے دوست

ڈھونڈھتے پھرتے ہیں عاشق پر نشاں ملتا نہیں
آ گئی چوڑی سڑک میں سب زمین کوئے دوست

حُسن کے دلکش طویلہ میں ہے بند رخشِ دوست
ہر سمند ناز یا اڑیل کوئی ٹٹوئے دوست

کم حقیقت نیش زن اغیار ہیں سب بیٹھے ہوے
دیکھ لو دیکھے نہ ہوں تمنے اگر پسوئے دوست

دور تک آہ رقیبوں کو بھگا آتی ہے
مچھر اڑ جاتے ہیں جس وقت ہوا آتی ہے

نجد سے ناقۂ لیلیٰ کی صدا آتی ہے
بلبلاتی ہوئی مجنوں کی قضا آتی ہے

وہ ہی کام آتے ہیں معشوقوں کو دنیا میں فقط | یا جفا آتی ہے یا اُن کو وفا آتی ہے
نفع آتا تو ہوا اس میڈیکل کالج سے | تیرے بیمار کے پینے کو دوا آتی ہے
رنگ غصہ میں بدلتے ہیں وہ گرگٹ کی طرح | حسن کی اپنے دکھاتے ہیں کرامات مجھے

ظ۔ ح۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جو کاکوری کے رہنے والے ہیں۔ نہایت شوخ ظریف ہیں بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں چندہ کا جیسا زور شور رہا ہے اسکو وہی لوگ جانتے ہیں جن کو بار بار اپنی بھری ہوئی جیبیں خالی کر دینا پڑی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں مصیبت زدوں میں شاعر مذکور بھی ہیں۔ ایک غزل فارسی ملتی ہے جس کے ساتھ یہ عبارت بھی انھیں کے قلم سے نکلی ہے۔

" یا ایہا القوم ہوت۔ کون بے وقت غل مچا رہا ہے۔ ارے میاں تمھیں جاگ رہے ہو یا کوئی اور بھی ہے میں جاگتا ہوا سوتا ہوں اور لوگ خراٹے لے رہے ہیں سنو بھئی سُنو۔

ما دُہل در گردن و خر در خلاب افگندہ ایم

بہت اچھا کیا ترقی یونہی کرتے ہیں۔ غلط اگر اس کیچڑ نفاق سے سلمان نکل گئے ہوتے تو کام بنا لیا تھا۔ مگر کمبخت گدہا پھسل پڑا اور ہم لنڈھک گئے۔ ذرا ہاتھ تھام لو۔ خیریت سے ڈھول ملامت قوم کے لئے سلامت ہے۔ آؤ جلدی آؤ اٹھیں تو تمھیں کچھ سنائیں تنہائی میں رونے کا لطف ہے نہ گانے کا۔ ایک تان تم اڑاؤ تو ایک نالہ ہم کریں۔ صدائے برنخاست شاید سمجھے کوئی چندہ مانگنے والا ہے۔ فریب سخن دے رہا ہے کچھ اور نہ لے مرے۔ جوں توں خود ہی اُٹھے۔ رہوار کو بھی اٹھایا۔ پھر سوار ہوے۔ سوار کیا ہوے حماقت سوار ہوئی۔ وہ یہ کہ قوم پر غصہ آگیا پھر کیا تھا۔ کھلا منھ چلی زبان۔ بجے ڈھول۔ پک پھم۔ پک پھم۔ ڈہم۔ ڈہم۔ خلق خدا کی۔ ملک شہنشاہ

مجازی اڈیٹر ورڈ ہفتم کا - حال و قال رفارمروں کا - وہو ہذا -

کوشش اصلاح را در پیچ و تاب افگندہ ایم ۔۔۔ ما دہل در گردن و خر در خلاب افگندہ ایم
کار دنیا ہرج گردد از نماز پنج وقت ۔۔۔ ما امید از طاعت و چشم از صواب افگندہ ایم
از زکوٰۃ و حج صلوٰۃ و صوم فارغ گشتہ ایم ۔۔۔ شاہد اندر رقص و افیوں در شراب افگندہ ایم
لکھنؤ زر میدہ ہد آباد باشد تا ابد ۔۔۔ سایۂ سیمرغ ہمت بر خراب افگندہ ایم
مد و جزر بحر سودا را بماند حب قوم ۔۔۔ دل بہ دریائے سپر بر روئے لب افگندہ ایم
تا قیامت باد نفریں نقص قراں مومناں ۔۔۔ بازمی پوشند و ما بر آفتاب افگندہ ایم
پہلوان علم مغرب در علیگڈھ آمدہ ۔۔۔ گر برو غالب شویم افراسیاب افگندہ ایم
آفریں بر حضرت سعدی چہ خوش فرمودہ است ۔۔۔ ما دہل در گردن و خر در خلاب افگندہ ایم

حرف عین

عالی۔ یعنی نعمت خان عالی شیرازی۔ ان کا نام اصل میں میرزا محمد تھا۔ اور نعمت خاں خطاب تھا۔ مگر یہ اپنے خطاب کے ساتھ ایسے مشہور و معروف ہوے کہ اصل نام سے بیخبر ہو گئے۔ ان کے والد کا نام فتح الدین تھا۔ جو اپنے زمانہ کے ایک زبردست حکیم تھے۔ میرزا محمد ہندوستان ہی میں پیدا ہوے اور یہیں نشو و نما پائی۔ مگر کمسنی کے زمانہ میں اپنے باپ کے ساتھ شیراز چلے گئے۔ مروجہ اور ضروری علوم رسمی وہیں حاصل کئے۔ شاعری بھی وہیں شروع کی جس میں ملا شفیعائے یزدی کے شاگرد ہوے۔ جب شیراز سے واپس ہوے تو عالمگیر بادشاہ ہندوستان کے زمرہ ملازمان میں داخل ہوئے حیدر آباد کی فتح پر اُن کو زمرہ مصاحبین میں جگہ دیدی گئی۔ اور ۱۱۰۰ھ میں بکاول یعنی داروغہ باورچیخانہ کی خدمت پر مامور ہوے اور نعمت خاں خطاب عطا ہوا۔ عالی کا مرتبہ شاعری میں بہت بلند ہے۔ اور کسی طرح متقدمین سے کم درجہ پر نہیں ہیں۔ مگر سب سے زیادہ کمال ان کو ہجو گوئی اور ظرافت نگاری میں ہے۔ انکی ہجو گوئی کی ایک خاص وجہ ہے۔ عالمگیر ایک راسخ العقیدہ سنی المذہب بادشاہ تھا اور نعمت خان عالی شیعہ مذہب رکھتے تھے۔ اور اسی کے ساتھ اپنے مذہب کے نہایت پکے تھے۔ اسواسطے یہ ہمیشہ در پردہ ہجو کیا کرتے تھے۔ عالمگیر کچھ ناسمجھ نہ تھا وہ سب کچھ جانتا تھا۔ مگر نعمت خاں کی لیاقت کا سکہ اتنا اُس کے دل پر بیٹھا ہوا تھا کہ وہ ہمیشہ ٹال جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ بادشاہ کی تعریف میں یہ قطعہ کہکر گزرانا۔

اے عمر صورت و عثمان سیرت   کہ ابوبکر نگہبان تو باد
روز محشر کہ بخود در مانی   پسر بوسفیان یار تو باد

بادشاہ اس قطعہ کو سنکر سمجھ گئے۔ مگر یہ کہا (اگرچہ ایں کہنہ قرم ساق بدانست خود ہجو کردہ است۔ لیکن سعادت ماست بنویسند در بیاض خاص)

ایک مرتبہ بادشاہ نے ایک خصی بکرے کو جسکی داڑھی بہت بڑھی ہوئی تھی اور عمر بھی زیادہ تھی دیکھکر کہا کہ اس کا کوئی نام رکھنا چاہیئے۔ نعمت خان عالی نے کہا کہ حضور ابوبکر نام رکھدیجئے۔ اگرچہ بادشاہ کو یہ بات نہایت ناگوار گزری مگر ہنسکر ٹال دیا۔

غرضکہ اسی طرح بادشاہ۔ اور امرائے دولت پر برابر طعن و تشنیع کی بھرمار کرتے رہتے تھے۔ اور سب لوگ اُن کی باتوں کو مسخرگی سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اُنکی ہجویں بقول مولانا غلام علی آزاد مرحوم کے تیغ تیز سے کم نہیں ہیں۔ اُن کی ظرافت نہایت عمیق ہوتی ہے۔ جسمیں قانونی پہلوؤں کو بچاتے ہوئے مشہور ضرب الامثال اور آیات سے صریح گلکاری کرتے ہیں کہ قابل دید ہوتی ہے۔

ان کی تصانیف میں سے دیوان فارسی۔ وقائع۔ جنگنامہ حسن و عشق اور مضحکات بہت مشہور ہیں کچھ ظریفانہ رقعات بھی ہیں جو کہیں نہیں ملتے۔

عالی پہلے اپنے پیشہ کی مناسبت سے حکیم تخلص کرتے تھے مگر کسی شخص نے ایک دن کہا کہ حکیم۔ اور حلیم ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے اسی لئے اُنھوں نے اس تخلص کو چھوڑ کر عالی تخلص اختیار کیا۔

ایک مرتبہ نعمت خان عالی نے اپنا ایک جیغہ مرصع گرو رکھنے کیلئے نواب زیب النساء بیگم دختر عالمگیر بادشاہ کے پاس بھیجا مدتوں تک نہ وہ جیغہ واپس آیا اور نہ روپیہ آیا۔ تو نعمت خان عالی نے یہ رباعی لکھکر بھیجی۔ بیگم نے پڑھی اور